رسائل
۷۲۰

ماہوار رسالہ

اصلاح

نمبر ۱۲	ماہ ذی الحجۃ الحرام سنہ ۱۳۵۱ھ	جلد ۳۶

فہرست مضامین

(مقام اشاعت)
[illegible]

اصلاح مشین پریس حضرات ہمدردان دین وملت! آپ ہی حضرات کی
دریادلی اور مذہبی کاوش سے دفتر اصلاح میں ولایت سے مشین پریس منگایا گیا ہے جو
بفضلہ تعالیٰ جاری ہوگیا اور اصلاح کے چند نمبر اس پر چھپ بھی گئے مگر اسکے ماہوار
مصارف کا مقابلہ ہم سے نہیں ہوسکتا جب تک آپ بھی پوری توجہ نہ فرمائیں آپ
اپنی کتاب۔ رسالے۔ رجسٹر۔ فارم۔ اشتہارات وغیرہ یہیں چھپوائیں تو کفایت سے
عمدہ کام آپکا انجام دیا جائے اور آپ کا یہ دینی مشین پریس بھی کامیابی سے چلتا
رہے۔ کل حضرات اپنے اپنے شہروں قصبوں اور دیہاتوں سے دوسری قوموں کی
کتابیں وغیرہ بھی حاصل کرکے چھپوانے کے لئے یہاں روانہ فرمائیں۔ [illegible] سب خوش رہینگے

مخصوص ہمدردوں کا شکریہ اس سال جن حضرات نے تین روپیہ سے زیادہ اصلاح
کے چندہ میں مرحمت فرمایا انکا شکریہ سابق نمبروں میں شایع ہوچکا ہے اسکے علاوہ (۱) جناب
مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی وظیفہ یاب خیریت آباد حیدرآباد دکن نے [illegible] (۲) لائبریرین
صاحب میونسپل لائبریری ریڈنگ روم پشاور نے [illegible] (۳) جناب سید وزیر علی صاحب
کبراہ دار الشکوہ بنارس نے [illegible] عنایت فرمایا خدا سب کو جزائے خیر دے۔ دوسرے حضرات بھی توجہ کریں

انصار اصلاح سابق نمبر میں جو فہرست شایع ہوئی اسکے بعد حسب ذیل حضرات نے
جدید خریدار عنایت فرمائے (۵۵) جناب [illegible] بہادر سید سجاد حسین صاحب اسسٹنٹ رجسٹرار
گوالیار (۵۶) جناب آغا سید مرتضیٰ شاہ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میانوالی (۵۷)
جناب ملک حسین بخش صاحب نمبردار کھاڈر کلاں ضلع میانوالی۔ خدا سب کو جزائے خیر دے اور
انکے دینی مقاصد بر لائے۔ اب [illegible] سال آئندہ کیلئے زیادہ خریداروں کی [illegible] کوشش [illegible]

مجالس خواتین جسقدر پسند ہوئی ناظرین کو معلوم ہے۔ اب ہم اسکو نظر ثانی کرکے
اور مضامین بڑھا کر ۵ جلد کتابی صورت میں چھپوانا چاہتے ہیں۔ پہلے ۱۰۰ صفحہ میں شایع
ہوئی تھی [illegible] ۳۰۰ صفحہ میں شایع ہوگی۔ فی جلد قیمت ۸؍ ہوگی۔ جو حضرات
[illegible] بھیج دینگے [illegible] جلدیں [illegible] قیمت [illegible]
[illegible] قیمت لیکر جلد روانہ فرمایئے۔ منیجر اصلاح کھجوا

اصلاح

نمبر ۱۲	ماہ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۵۱ھ	جلد ۳۶

متفرقات

(۱) الحمد للہ کہ محض اُسی کے فضل و کرم سے آج اصلاح جلد ۳۶ کا آخری نمبر بھی شایع ہو رہا ہے۔ جس پر اس منعم حقیقی کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

(۲) انشاء اللہ محرم ۱۳۵۲ہجری سے رسالہ اصلاح کی جلد ۳۷ شروع ہو گی خدا اسکو گزشتہ سالوں سے زیادہ دینی خدمات کے اعتبار سے شاندار اور کامیاب بنائے۔

(۳) اس سال اصلاح مشین پریس بھی بفضلہ تعالی جاری ہو گیا اور ۳ ماہ شعبان سے ۲۶ ماہ رمضان تک اُسی پر کام بھی ہوا مگر وہ کاریگر ناتجربہ کار تھا اور ہوشیار کاریگر ۵۰ ماہوار مانگتا تھا جس کو ہم نہ دیسکے۔ اس طرح مشین پریس بیکار پڑا ہے۔ اب ہم نے مکرمی جناب مینجر صاحب سرفراز قومی پریس لکھنؤ دام عنایتہ کو لکھا ہے کہ ۱۲ محرم تک اس کاریگر کو روانہ کر دیں ۵۰ روپیہ ماہوار اس کو مشاہرہ دیا جائیگا۔ قوی امید ہے کہ انشاء اللہ ۱۲ محرم ۱۳۵۲ہجری سے اصلاح و الشمس مشین پریس پر مستقل طور پر چھپتے رہیں گے۔ مگر ہمدردان اصلاح کو اس کا خیال کرنا چاہیے کہ یہ پچاس روپیہ ماہوار زائد خرچ کہاں سے پورا ہوگا۔ اگر آپ حضرات چاہیں تو آسانی سے اس مشکل کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ بس اس نمبر کے پہنچتے ہی صرف دو دو جدید حضرات کو دونوں رسالوں اصلاح و الشمس کی خریداری پر آمادہ کر کے اور اُن سے پیشگی چندہ لیکر بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں (۴) ہم نے چاہا تھا کہ اس نمبر میں مجالس خاتون ۱۹۲ صفحہ تک شایع کر دیں۔ مگر ایک دلچسپ مضمون "شیعوں کی عیدیں"

آگیا اور اخبار اہلحدیث امرتسر نے اصلاح کے ایک اعتراض کا جواب دینا چاہا۔ اسکی رد منظوری ہو لی۔ اس وجہ سے مجالس کے صرف ۱۶۸ صفحہ تک اس سال شایع ہو سکے (۵) الشمس نمبر ۶ و ۷ بھی چھپ رہا ہے انشاء اللہ جلد حاضر ہوگا۔ آپ حضرات مطمئن رہیں اور اسکے جدید خریدار عنایت فرمائے جائیں تا کہ اس کے مصارف پورے ہو سکیں اور جن حضرات نے اس سال کا چندہ اب تک نہیں روانہ فرمایا ہے وہ جلد بھیجدیں (۶) بہت سے ہمدردان اصلاح کے ہاں سال رواں سنہ ۱۳۵۱ھ کا چندہ اصلاح باقی رہ گیا ہے مگر انکا پرچہ نہیں روکا گیا۔ براہ کرم اب وہ والپسی ڈاک سے عنایت فرمائیں کہ آیندہ سال کے انتظامات میں سہولت ہو سنہ ۵۲ھ کا چندہ بھی بذریعہ منی آرڈر عنایت ہو۔

احبار غم | افسوس کہ (۱) ہمارے قریبی بزرگ جناب عمی سید اطہر حسین صاحب ساکن بھیکپور ضلع سارن دام مجدہ کی اہلیہ محترمہ نے ۱۳ شعبان سنہ ۱۳۵۱ھ کو انتقال کیا۔ مرحومہ بڑی اقبال مند۔ خوش نصیب عبادت گذار اور وسیع الاخلاق بی بی تھیں (۲) جناب سید حیدر حسین صاحب بی۔ اے سپرنٹنڈنٹ ریونیو ڈیپارٹمنٹ سول سکرٹریٹ الہ آباد نے ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۱ ہجری کو انتقال کیا۔ مرحوم بہت خوش صفات اور مذہب کے بڑے پابند تھے۔ خدا دونوں مرحومین کے درجات عالی کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے (مومنین سورہ فاتحہ و تحفہ کا ثواب ایصال کریں۔)

تقریظ | کمونی جناب مولوی حکیم سید محمد صالح صاحب عرشی دام مجدہ کی ایجاد کردہ ہے اچھی طرح مشہور اور مقبول ہو چکی ہے۔ یہ دوا عام اشتہاری دواؤں سے مستثنی معلوم ہوتی ہے۔ رفع قبض دردشکم۔ خرابی ہضم۔ نفخ۔ قراقر کی مجرب دوا ہے۔ بچے اسکو شوق سے کھا لیتے ہیں۔ اسکی ایک شیشی ہر گھر میں ہر وقت رہنا چاہئے۔ قیمت صرف ۸ ہے۔ مینجر صاحب کمونی فیکٹری بیا چوک بنارس سے طلب کیجئے۔ (۲) حسین دی مارٹر ۸۰ صفحہ کا انگریزی زبان میں مفید رسالہ ہے جسمیں امام حسینؑ اور حضرتؑ کی شہادت پر بہت ذی علم مسلم اور غیر مسلم حضرات کی قیمتی رائیں شایع ہوئی ہیں۔ یہ بہت قابل قدر اور لائق شکر دینی خدمت انجام پائی ہے۔ کل انگریزی داں مسلمان اس رسالہ کو پڑھیں اور حضرت سید الشہداءؑ اور آپکی شہادت کی معرفت کامل حاصل کریں قیمت فی جلد ۱۲ (۳) کارنامہ حسینی۔ یہ اردو زبان میں ۹۶ صفحہ کا رسالہ ہے اسمیں بھی حضرت امام حسینؑ اور حضرتؑ کی شہادۃ کے متعلق بہت سے اہل علم حضرات کی زریں رائیں شایع کیگئی ہیں۔ قیمت مرقوم نہیں دونوں رسالہ دفتر پراونشیل شیعہ کانفرنس حاجی گنج پٹنہ سٹی سے طلب کریں۔

شیعوں کی عیدیں

(از جناب محمد یوسف صاحب ناظم انصاری حیدرآباد دکن دام عزہ)

آج سے کم و بیش دس برس پہلے یہ مضمون بمبئی کے ایک مشہور و معروف گجراتی جریدہ پرجا متر کے ہفتگی ایڈیشن میں شایع ہوا تھا جو اس زمانہ میں مشہور ملک التجار ٹاٹا اینڈ سنس کی ملک تھا۔ بارہا خیال آیا کہ یہ کسی اردو جریدے میں بھی بھیجدیا جائے مگر دنیوی جھمیلوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس کا خلاصہ کرتا۔ آج اصلاح کے مدیر محترم کے ایک گرامی نامہ نے "سرود مستاں یاد دہانیدن" کا کام کیا۔ اور خیال آیا کہ اگر میں اصلاح کی اور کوئی اعانت نہیں کر سکتا تو قلمی ہی مدد سہی۔ بشرطیکہ قبول خاطر ناظرین اصلاح ہو:۔

عام خیال ہے اور کہنے دیجئے کہ یہ خیال ممنون غلط فہمی اور حالات اصلی سے ناآگہی کا مرہون منت ہے کہ شیعوں کی ساری عمر رونے ہی میں بسر ہوتی ہے۔ اور یہ ایک گروہ گریاں ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ شیعہ گروہ اسلامی سال نو سے لیکر ربیع الاول کے پہلے ہفتہ تک عام طور پر گریہ و بکا میں صرف کرتا ہے اور ان ایام میں وہ کوئی خوشی کا کام نہیں کرتا۔ مگر طلاب تاریخ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جس واقعہ عظمی سے اس رونے کا تعلق ہے وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ عالم میں اتنا رنجدہ ہے کہ صرف وہی اس کا غم انگیز اثر نہیں لے سکتا جسکی گنتی انسانوں میں نہ ہو۔ ورنہ خواہ ہندو ہو خواہ عیسائی خواہ پارسی یا یہودی عورت ہو یا مرد جسکے روبرو واقعات کربلا بیان ہونگے ممکن ہی نہیں کہ اس کے دل پر انکا اثر نہ ہو۔ اور وہ بغیر چشم نم انھیں سن سکے۔ مگر یہ وقت ان ملال آفریں واقعات کی تفصیل بیان کرنیکا نہیں کیونکہ مجھے خوشی کا ذکر کرنا ہے۔

(۱) **عید غمر**:۔ شیعوں کی سب سے پہلی عید آغاز سال کے ٹھیک دو مہینے اور آٹھ روز بعد یعنی ۹ ربیع الاول کو پڑتی ہے۔ آپ خود خیال کر سکتے ہیں کہ دو سوا دو مہینے گریہ و بکا کے بعد جب کوئی خوشی کا موقع آئیگا۔ اور خوشی بھی ایسی جس کا اس غم کی تلافی سے تعلق ہو جو دو سوا دو مہینے سے نہایت ہی صبر و سکون کے ساتھ برداشت کیا جا رہا ہے تو غیر معمولی

خوشی ہونا ہی چاہیئے اور اسکا پورا فائدہ اٹھانا ہی چاہیئے۔ چنانچہ کل شیعہ اس "عید عمر"
سے جسے وہ "عید شجاع" بھی کہتے ہیں۔ کسی طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس روز انکے
بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں سب نئے کپڑے بدلتے ہیں۔ عطر لگاتے ہیں۔ خوشی کی محفلیں
منعقد کرتے ہیں۔ اہلبیت رسولؐ کے فضائل اور دشمنان اہلبیتؑ کے قبائح بیان ہوتے
ہیں۔ ایک بات اور خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بعض جگہ ایک پتلا بنایا جاتا ہے۔ اسکے گلے
میں جوتوں کے (البتہ پرانے لتراوں کے) ہار ڈالے جاتے ہیں۔ اور پھر اس کو جلا دیتے ہیں
سُنی حضرات اس عید میں حصہ نہیں لیتے۔ اور کیوں وہ اس عید کی خوشی نہیں مناتے۔ اسکی
بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ غالباً اس عید کے نام سے انھیں غلط فہمی پیدا ہوئی ہے
لیکن سُنی بھائیوں کو جاننا چاہیئے کہ اس عید سے خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی تعلق
نہیں ہے کیا معنی کہ ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ۲۶ ذی الحجہ کو ابولولو نے
زخمی کیا۔ وہ تین روز صاحب فراش رہے۔ اسی مہینہ کی انتیسویں کو انھوں نے اس دار فانی
سے کوچ کیا۔ اور یکم محرم کو آپ کی تدفین ہوئی۔ اور جس عمر کے قتل کی خوشی شیعہ مناتے
ہیں وہ تو عمر ابن سعد سردار فوج یزید تھا۔ دشمن آل رسولؐ۔ لہٰذا دشمن رسولؐ۔ اسی بنا
پر دشمن خدا۔ اسکے مرنے کی تو بلا استثناء ہر دیندار مسلمان کو خوشی ہونا چاہیئے۔ یہ وہ روز
مبارک ہے کہ جس دن اہلبیت نبوی کو انکے زخمی دلوں کا مرہم ملا ہے۔ اب رہا پتلے کا
بنانا اور اس کا جلانا۔ یقینی یہ بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ آپ اسی گزشتہ جنگ
عظیم کے واقعات یاد کیجئے۔ آپکو معلوم ہے کہ اہل برطانیہ نے اور وفاداران حکومت نے
بارہا قیصر جرمنی کا پتلا بنا کر جلایا ہے اور اس طرح اس سے اظہار نفرت کیا ہے۔ غالباً
دنیائے اسلام میں کوئی سُنی ایسا نہ ہوگا جسے حسین علیہ السلام کی محبت کا دعویٰ نہ ہو جو کہ
آنجناب کے دشمنوں سے علانیہ اظہار نفرت کرنے میں ذرا بھی پس و پیش کرے۔ پھر سمجھ میں
نہیں آتا کیوں سنی حضرات ۹ ربیع الاول کو عید نہیں مناتے۔

(۲) **عید مولود**:۔ عام طور پر سُنی حضرات میں حضرت رسولؐ خدا علیہ التحیۃ والثنا کی تاریخ
ولادت کا تعین ہے اور نہ وفات کا کوئی خاص دن مقرر ہے۔ ربیع الاول کے ابتدائی

۱۲ روز ایام مولود بھی کہلاتے ہیں اور ایام وفات بھی۔ مگر شیعوں کا یہ حال نہیں ہے۔ ان کے ہاں بالاتفاق آنحضرتؐ کی وفات ۲۸ صفر کو واقع ہوئی۔ اور آنجناب کی ولادت کی مبارک تاریخ ۱۷ ربیع الاول ہے۔ اس روز عام طور پر شیعوں میں خوشی کیجاتی ہے۔ محفل فضائل منعقد ہوتی ہیں۔ لکھنؤ میں تو سنا گیا ہے کہ اس روز بڑی خوشی شیعوں میں ہوتی ہے اور چراغاں بھی ہوتا ہے۔ اب جب سنیوں کے ہاں آنحضرتؐ کی پیدائش کا کوئی خاص دن مقرر نہیں ہے تو وہ بھی تہ دل ہی خوشی کے ساتھ شیعوں کی اس مسرت میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اور ایسا ہونے سے اسلام کے دو گروہوں میں جنکو غلط فہمیوں نے ایک دوسرے سے بے وجہ بدگمان کر رکھا ہے۔ اتحاد و اتفاق و یگانگی پیدا ہونے کی امید ہے۔

عید سیزدہ رجب ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کب پیدا ہوئے حضرت عمر ابن خطاب کی ولادت کب ہوئی اور حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی پیدائش کی تاریخ کون سی ہے واقعی یہ امر سخت قابل افسوس ہے کہ اتنے بڑے مسلمانوں کے پیشواؤں کی تاریخ ہائے ولادت سے مسلمان ناواقف ہوں لیکن اس لاآگہی کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قبل از ظہور اسلام ان حضرات کے خاندان اتنے مشہور اور سر برآوردہ نہ تھے۔ اور خاندان بنی ہاشم خصوصاً حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ہستی ایک ممتاز ہستی تھی کہ وہ سردار بیت عتیق تھے یعنی حرم محترم کے مجاور کا عہدہ جلیلہ رکھتے تھے اور رسول خدا کے بہت بڑے حامی تھے۔ اس بنا پر ان کے فرزند رشید حضرت علی علیہ السلام کی تاریخ ولادت سب کو یاد رہی۔ اس یاد رہنے کا ایک اور بھی سبب خاص یہ ہے کہ علیؑ کی ولادت ایسے متبرک مقام پر ہوئی جہاں ان سے قبل کسی کو پیدا ہونے کا شرف حاصل نہ ہوا تھا۔ یعنی خاص خانہ کعبہ میں۔ یہ واقعہ بجائے خود اتنا اہم تھا کہ اگر کوئی اسے ضبط تحریر میں بھی لاتا تو دلوں پر کندہ ہوجاتا۔ ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

چنانچہ وہ ہوگیا اور جب تک اسلام قائم رہیگا۔ بہرحال اس مبارک دن یعنی ۱۳ رجب کو شیعوں میں بڑی دھوم دھام سے عید منائی جاتی ہے۔ محافل فضائل منعقد ہوتی ہیں۔ جنمیں عوام الناس اور علمائے دین بڑی خوشی سے شریک ہوتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام

کی شان میں شعرائے نامدار نہایت ہی پُر زور قصیدے لکھتے ہیں ۔ جب میں جناب امیرؑ کے کونڈے ہوتے ہیں ۔ کونڈے تو سارے مہینے ہوتے ہیں ۔ اور میرے خیال میں وہ سنی حضرات بھی کرتے ہیں ۔ بہر حال لکھنے کا مدعا یہ ہے کہ ۱۳ رجب کو صرف شیعہ ہی کیوں تنہا خوشی منائیں اور عام اہل اسلام اس مسرت میں کیوں شریک ہوں ۔ علیؑ کی ہستی عام طور پر ایک قابل احترام ہستی نہ صرف اہل اسلام کے نزدیک ہے ۔ بلکہ ان کے سوانح زندگی کو اگر کوئی شخص انصاف سے پڑھے تو ان کا احترام کرنے اور ان سے محبت کرنے پر مجبور ہوگا اور جنھوں نے انکی مقدس زندگی کے حالات کا مطالعہ کیا ہے وہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہوئے ہیں ۔ مثال کے لئے کارلائل ۔ اروِنگ ۔ گبن وغیرہ کے نام کافی ہیں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عید کے منانے میں شیعوں کی تخصیص ہونا چاہئے ۔ بلکہ سنی شیعہ دونوں فریق کو اس خوشی میں مساوی طور پر حصہ لینا چاہئے ۔

(۴) **عید ۳ر شعبان**: ۔ اس روز شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تھی ۔ اور یقینی خود سرور کائنات حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی کی ہوگی ۔ تو اس روز خوشی کرنا اور عید منانا حقیقت میں سنت رسولؐ کا ادا کرنا ہے ۔ اسکے علاوہ حسینؑ کے نہ صرف اسلام پر بلکہ ساری دنیا پر جو احسانات ہیں وہ اظہر من الشمس وابین من الامس ہیں ۔ حسینؑ نے زور یزدانی سے قوت اہرمنی کا مقابلہ کیا ۔ حسینؑ نے باطل کے خلاف علم حق بلند کیا ۔ حسینؑ نے استبداد کی مخالفت میں جان تک کی پرواہ نہ کی ۔ خاندان تک کی بربادی قبول کی ۔ خدا کی راہ میں دوستوں کو کٹوا دیا ۔ اقربا کو قتل ہونے دیا ۔ اور خود قربان ہو گئے ۔ یقینی یہ قربانی راہ خدا میں مقبول ہوئی ۔ اور خدا کے نزدیک ممدوح قرار پائی ۔ اس کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ہر سال نہ صرف اہل اسلام بلکہ غیر اقوام بھی ان بزرگوار کی شہادت کی یاد تازہ کرتے ہیں تو جس طرح انکی شہادت اور مصیبت کا غم عام طور پر منایا جاتا ہے ۔ انکی ولادت کی خوشی کیوں نہ عالم گیر ہو ؟ مسلمانوں کو تو اسمیں کچھ شیعوں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام طور پر اس روز مبارک ایک جشن عام کرنا چاہئے اور دوسری قوموں کو بھی اپنے ساتھ شریک بزم طرب کرنا چاہئے ۔ یاد رکھئے دیگر اقوام نہ

مذاہب میں حسینؑ کے متعلق جتنی معلومات بڑھے گی۔ اتنی ہی اسلام سے محبت بڑھیگی تو اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی محبت دوسروں کے دل میں بھی پیدا کریں تو انکے سامنے اسوۂ حسین علیہ السلام پیش کیجئے اور انشاءاللہ پھر آپکی فتح ہے۔

(۵) عید قائم:۔ یہ عید ۱۵ شعبان المعظم کو منائی جاتی ہے جو امام دوازدہم علیہ السلام کی ولادت کا روز مبارک ہے۔ اب اثنا عشری شیعوں کا تو اس پر اتفاق کلی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہو چکی ہے۔ البتہ سُنی حضرات میں خود آپس میں اس امر میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ آپ ابھی پیدا نہیں ہوئے لیکن سنیوں کا ایک گروہ کثیر اس بات کا بھی قائل ہے کہ آپ پیدا ہو چکے اور بقید حیات ہیں چنانچہ مشہور صوفی بزرگ شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا ایک مشہور شعر ہے ؎

اے امام زماں کہاں ہیں امام ٭٭٭ کچھ پتا دیجئے ٹھکانے کا

اگر اس اختلاف کی صورت یہ ہوتی کہ شیعہ بالاتفاق اس بات کے قائل ہوتے کہ امام مہدی علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں اور سنیوں میں من حیث الفریق بلا اختلاف یہ رائے ہوتی کہ وہ جناب ہنوز پیدا نہیں ہوئے تو ہمیں زنہار کچھ کہنے کا حق ہی نہ تھا۔ مگر یہ حالت تو لاریب ایک ایسے مقدمے کی سی ہے جس میں ایک طرف کے کل گواہ بلا استثناء اور بلا اختلاف ایک واقعہ کی تصدیق کریں اور طرف ثانی کے بھی آدھے گواہ اسکی تصدیق کرنے میں فریق مخالف کے ہم آہنگ ہو جائیں تو اب ایک منصف فیصلہ کس کے حق میں کرے گا؟

اس کو بھی جانے دیجئے۔ اختلاف کی باتیں تو ہمیں کرنا ہی نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کو اسلام کا ہر گروہ ایک قابل احترام ہستی سمجھتا ہے یا نہیں؟ جواب یقینی اثبات میں ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آنجناب کے متعلق کوئی خوشی کی تقریب میں ہر فریق شریک نہ ہوں۔

(۶) عید الفطر و (۷) عید الضحیٰ:۔ ان ہر دو عید میں اسلام کا ہر فرقہ برابر کا حصہ دار ہے اور جو احکام ایک کے لئے ہیں وہی دوسرے کے لئے۔ اس لئے ان کے متعلق میں زیادہ

لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

(۸) **عید غدیر۔** یہ اسلامی بارہویں مہینے کی اٹھارہویں تاریخ پڑتی ہے شیعوں کا بیان ہے کہ جب ۱۰ ہجری میں پیمبر آخر الزمانؐ حج آخر سے واپس پھرے تو راستہ ہی میں غدیر خم میں ایک مقام پر آنحضرتؐ نے اپنے تمام ساتھیوں کو ٹھہرایا۔ پھر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور جناب امیر علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا۔ اسی لئے شیعیان علیؑ اس روز عید مناتے ہیں۔ جانشینی سے سُنی حضرات کو اتفاق نہیں ہے۔ اگرچہ اس بات کا سب کو اقرار ہے کہ حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر قیام ضرور فرمایا۔ خطبہ ضرور پڑھا۔ اور جناب امیرؑ کے متعلق یہ بھی کہا کہ جس کا میں مولا ہوں علیؑ اس کا مولا ہے۔ نیز سُنی حضرات کا یہ بیان ہے کہ یہ جلسہ اس لئے منعقد ہوا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ان کے مخالفین نے کچھ غلط فہمیاں پھیلا دی تھیں جنھیں پیغمبرؐ نے دور کر دیا۔

مجھے اس وقت باب مناظرہ وا کرنا نہیں ہے۔ اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ سُنی حضرات جو کہتے ہیں وہ اپنے عقیدے کے موافق ٹھیک کہتے ہیں۔ ورنہ جو شیعہ کہتے ہیں اگر وہ بھی کہنے لگیں تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ علیؑ کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں۔ پھر جھگڑا کاہے کا رہا۔

دوسری بات جو سینوں کو اس عید غدیر کی خوشی میں حصہ لینے سے روکتی ہے وہ غالباً یہ ہے کہ اتفاق سے اسی تاریخ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی تھی۔ مگر ان دونوں امور میں سینوں کو ایک امر بھی اس عید کی خوشی میں حصہ لینے سے مانع نہیں آتا۔ آیئے ہم اس کو ذرا وضاحت سے بیان کریں۔

(الف) شیعوں سے اختلاف رائے کر کے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کے متعلق معاندین نے جو غلط فہمیاں پھیلا دی تھیں انھیں دور کرنے کے لئے یہ جلسہ کیا تھا تو کم سے کم اس سے اس بات کا تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت علیؑ کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتے۔ اور ایک لمحہ کیلئے بھی یہ گوارا نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ کے پیارے داماد سے سوء ظن رکھیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک آدمی

روز میں آپ مدینہ پہنچ جاتے اور وہاں جاکر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو سمجھاتے اور علیؑ کی صفائی میں جو کہنا تھا ارشاد فرماتے لیکن جناب امیرؑ کی خاطر انھیں جس قدر عزیز تھی اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مدینہ پہنچنے کا بھی انتظار نہ فرمایا اور راستے ہی میں علیؑ کی بریت کر دی۔

اب اس سے تو کسی سنی کو انکار نہ ہوگا کہ علیؑ کی ہستی ایک واجب التعظیم ہستی ہے اور انکے متعلق خود جناب رسول خدا علیہ التحیتہ والثنا کا انھیں ہر الزام سے بری قرار دینا بجائے خود ایک مسرت و ابتہاج کا مقام اور موقع ہے۔ ہمیں خیال سے اس بات سے سنی اور شیعہ دونوں کو یکساں خوشی ہونا چاہیئے کہ جناب امیر علیہ السلام کا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنا زبردست خیال فرماتے تھے اور انکی خاطر انھیں کس درجہ عزیز تھی۔ اور یہ کہ انھیں پیغمبرؐ نے کل الزاموں سے بری کیا۔

(ب) اب رہا حضرت عثمان کی وفات کا مسئلہ کہ واقعہ غدیر کے بعد اتفاق سے ۲۴ سال کے بعد خدا کو یہ منظور ہوتا ہے کہ اسی روز حضرت علیؑ ظاہری خلیفہ بھی قرار پائیں تو یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ کے ارتحال کا غم ہوتا ہے تو دوسرے کی تاجپوشی اور تخت نشینی کی خوشی بھی ہوتی ہے۔ حضرت عثمان کی وفات کا غم کرنے پر کسی سنی کے خلاف کسی شیعہ کو اعتراض کا ذرہ برابر بھی حق نہ ملنا چاہیئے لیکن اسکے ساتھ سنی حضرات کو حضرت علی علیہ السلام کی تخت نشینی کی بھی اتنی ہی خوشی منانی چاہیئے۔

(۹) عید مباہلہ:۔ یہ عید ۲۴ ذی الحجہ کو عام طور پر شیعوں میں منائی جاتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ عام مسلمان اسکے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اگرچہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت ہی درخشندہ اور قابل فخر واقعہ ہے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ نجران کے چند عیسائیوں نے آکر رسول خداؐ سے مذہبی مناظرہ کیا۔ لیکن جب اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو اللہ کی طرف سے پیغمبرؐ کو عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کرنے کا حکم ملا۔ یہ ایک چیلنج تھا اسلام کی جانب سے مسیحیت کو کہ بلاؤ تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی خواتین کو تم اپنی خواتین کو۔ ہم اپنے نفسوں کو تم اپنے نفسوں کو۔ اس کے بعد

اہلِ باطل کیلئے خدا کی وعید ہے۔ اس چیلنج کو عیسائیوں نے منظور کر لیا۔
معلوم نہیں عیسائی کن افراد کو لانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ راھب ہونا چاہئے۔ انکی رہبانیت اس بات کی کافی دلیل ہے کہ انکی نہ بیوی یاں ہونگی نہ بچے۔ اس سے اس بات کا ثبوت ملا کہ نہ ابناءنا سے ان کا مطلب صلبی بیٹے نہ نساءنا سے مراد نکاحی بیویاں۔ بلکہ لاریب اس کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ عورتوں میں تم جن کو باعصمت اور پاکباز سمجھتے ہو انھیں لاؤ۔ اور بچوں میں جو تمہیں عزیز ترین ہیں انھیں لاؤ۔ اب رہا انفسنا کا سوال تو یقینی یہ لفظ پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ اس سے خدا کی مراد ہے اپنا سایا اپنا ہمپایہ۔ یعنی صاف مطلب اس سے خداوند تبارک تعالیٰ کا یہ تھا کہ جتنا تمہیں اپنے نفس کے اوپر بھروسا اور اطمینان ہے اتنا ہی (نہ کم نہ زیادہ) بھروسا اور اطمینان اگر کسی شخص پر ہو تو اسے لانا۔ دوسرے کو نہیں۔ آخری حکم آپ خیال کر سکتے ہیں کہ کتنا سخت ہے اور اسکی تعمیل کی ذمہ داریاں کتنی بڑھی ہوئی ہیں۔

بہرحال اب یہ بھی سن لیجئے کہ اس حکم کی تعمیل ایک "نفس مطمئن" کی طرف سے کیونکر ہوئی۔ بلا اختلاف اس واقعہ کو آپ ہر کتاب میں خواہ وہ سنی کی ہو خواہ شیعہ کی یوں لکھا پائیں گے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۱) اپنے بیٹوں کے طور پر حسنین ؑ کو ہمراہ لیا۔
(۲) خواتین کی جگہ صرف حضرت فاطمہ ؑ دختر رسول صلوٰۃ اللہ علیہا تھیں اور
(۳) نفس مجسم علی ؑ تھے۔

سادگی مجھے پسند ہے اس لئے میں اپنے مضمون کو رنگنا نہیں چاہتا اور نہ مناظرہ کی روش پر چلنا چاہتا ہوں۔ تو اپنے گھر سے اس شان سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے کہ آگے آگے ایک چادر پوش خاتون تھیں۔ یہ دختر رسول تھیں۔ انکے بعد خود رسول تھے جن کے ساتھ سبط رسول اکبر انگلی پکڑے اور آغوش رسول میں وہ بچہ تھا جسے قسم کھا کر اسلام والے ابنائے لا الہ کہتے ہیں یعنی حسین مظلوم۔ اور سب کے

بعد ابو الائمہ حضرت علی مرتضیٰ خیبر کشا تھے۔ رسولؐ کے ساتھ نہ فوج تھی نہ لشکر نہ خدم نہ حشم۔ اسی مختصر گروہ کو آپ نے شرائط خداوندی کی پابندی کیلئے کافی و وافی خیال کیا اور وہ تھا کافی جیسا کہ اسکے بعد کے واقعہ نے ثابت کردیا کہ عیسائی انھیں دیکھتے ہی لرزہ براندام ہو گئے اور ان کے ایک راہب نے یہ مشورہ دیا کہ یہ تو وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے لئے ع اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید۔ لہذا اگر تم غضب الٰہی سے ڈرتے ہو اور اپنی خیر چاہتے ہو تو ان سے زنہار مباہلہ نہ کرنا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اپنے مشیر کی صلاح پر جھگڑا کرنے والوں نے عمل کیا۔ میدان مباہلہ سے ہٹ گئے اور جزیہ دے کر اپنی جان بچائی۔

یہ ہے نہایت ہی مختصر الفاظ میں فتح جنگ مباہلہ کا بیان۔ یہ ہے صداقت اسلام کا وہ ناقابل تردید ثبوت جسکی دوسری مثال تاریخ اسلام کیا تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اس روز کو شیعوں نے یوم العید قرار دیا ہے اور کیوں برادران اہلسنت بھی اس روز عید نہ منائیں اس کا کوئی ظاہری سبب تو معلوم نہیں ہوتا۔ اس فتح عظیم کا سہرا جن مقدس ہستیوں کے سر پر ہے ان ذوات مقدسہ پر جتنا فخر شیعوں کو ہے اتنا ہی سنیوں کو ہونا چاہیئے اور ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سنی حضرات اس عید کی خوشی میں شامل نہ ہوں۔

(۱۰) **عید نوروز:۔** یہ امر محبوب ترین موضوع ہے اور اظہار حقیقت کو اگر آپ خودستائی پر محمول نہ فرمائیں تو میں کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر (گجراتی) نثر اور نظم میں جو خامہ فرسائی کی ہے انکی یکجائی کے معنی کئی مجلدات ہیں۔ مگر اس وقت تو عرفی کے لفظوں میں سوا اسکے کہ "ناگفتہ بجاست" کہکر اپنے دل کو تسلی دے لوں اور کچھ بھی نہیں رکھتا۔ بہرحال عید نوروز شیعہ اثنا عشری بڑی دھوم سے مناتے ہیں۔ اس کا انکے ساتھ مذہبی تعلق یہ ہے کہ بقول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس روز آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی ہے۔ اس روز نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات ملی ہے اور اسی روز حضرت علی علیہ السلام تخت

خلافت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں۔ رسالہ اصلاح میں یاد پڑتا ہے کہ کسی صاحب نے ایک محققانہ مضمون لکھا تھا جس میں انھوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ۲۱ مارچ کو ۱۸ ذی الحجہ تھی۔

اور مجھ سے آپ پوچھتے ہیں تو عید نوروز نہ شیعوں کی خاص عید ہے اور نہ سنیوں کی بلکہ اس کو عید عالم ہونے کا مرتبہ اس لئے حاصل ہے کہ یہ "سالگرہ گیتی" ہے۔ اور وہ اس لئے کہ اس روز رات دن برابر ہوتا ہے۔ موسم اعتدال پر آنا شروع ہوتا ہے۔ اور فصل بہار کا آغاز ہوتا ہے۔ ازبسکہ ہم سب بلا تفریق قومیت و مذہب و عقاید مادر گیتی کے فرزند ہیں۔ اس لئے ہمیں لازم ہے اس روز ہم سب متحد ہو کر عید منائیں۔ ہندوستان میں آپس میں سب قوموں میں اتحاد اور ارتباط و اتفاق کی جس قدر ضرورت ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ ہمیں قدرت نے نوروز کا جو نادر موقع دیا ہے اس سے مستفید اور مستفیض نہ ہونا انعام خداوندی کا انکار ہے۔ اور یہ کفران نعمت کسی صورت میں جائز نہیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ افراد جو اتحاد بین الاقوام کے وعظ سنانے کو جلوہ گران منبر بنتے ہیں اس زریں موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اس روز مبارک عید منائیں۔

(۱۱) اسکے علاوہ شیعوں میں ہر امامؑ کی پیدائش کے روز محفل فضائل برپا ہوتی ہے اور اس روز کا شمار عید میں ہوتا ہے۔ ان محفلوں میں ان بزرگ ہستیوں کے فضائل اور محامد کا بیان ہوتا ہے جو سنی اور شیعہ ہر دو گروہ میں واجب التعظیم اور لائق تکریم خیال کئے جاتے ہیں تو شیعوں میں سب ملا کر

(ا) ۱۴ ولادت چہاردہ معصومین کی عیدیں۔

(ب) ۲ عید الفطر اور عید الضحیٰ

(ج) ۲ عید غدیر اور عید مباہلہ

(د) ۱ عید شجاع اور

(ہ) ۱ عید نوروز

یعنی برس میں بیس عیدیں تو ضرور ہوتی ہیں۔ ان عیدوں کے علاوہ حیدر آباد اگر

مجھے معلوم ہوا کہ شیعہ روز ولادت حضرت ابوالفضل العباس اور روز ولادت علی اصغر (شہید کربلا فرزند شاہ کربلا) کو بھی جشن برپا کرتے ہیں۔

القصہ شیعوں کی جتنی عیدوں کا تذکرہ میں نے اوپر کیا ہے ان میں سے سچ پوچھئے تو ایک عید بھی ایسی نہیں ہے جسکی خوشی میں برادران اہل سنت بھی برضا و رغبت شریک نہ ہوں۔ میری رائے میں شیعوں کو ان عیدوں کو تو عام کر دینا چاہئے اور سنی حضرات کے علاوہ دیگر مذاہب کے تعلیم یافتہ افراد کو بھی ان فضائل کی محافل میں شریک کرنا چاہئے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اسلام میں کیسی کیسی بزرگ ہستیاں گزری ہیں۔ اور انکی تعلیمات کیا ہیں۔ ۱۲

پردہ

ایک غیر مسلم خاتون کے قلم سے

(ترجمہ خیالات شریمتی لیلاوتی زوجہ پنڈت آتمانند جی)

آل انڈیا وومنز کانفرنس منعقدہ لکھنؤ میں جہاں چند مفید رزولیوشن پاس کئے گئے وہاں چند غیر مفید رزولیوشن بھی تھے جنمیں سے ایک "پردہ" کے خلاف جہاد کرنا بھی تھا۔ آجکل کے زمانے میں بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو کسی بات کی تہ تک پہنچکر نیک و بد میں تمیز کر سکیں۔ زیادہ تر تعداد ایسے لوگوں کی ملیگی جو اپنے رسم و رواج کے خلاف دوسروں کے رسم و رواج کی خواہ وہ کتنے ہی مفید کیوں نہ ہوں مخالفت کرنے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ آریہ سماج نے شادی بیوگان۔ اچھوت اُدّھار۔ نسلی امتیاز کے خلاف جہاد۔ تعلیم نسواں وغیرہ متعدد اصلاحات سے ہندو قوم کی جو خدمت کی ہے وہ بلا تردد قابل تحسین ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوؤں کی موجودہ بیداری کا سہرا آریہ سماج کے سر پر ہے مگر بعض مرتبہ آریہ سماجی بلا تمیز نیک و بد کے دیگر اقوام و مذاہب کی خوبیوں کو بھی برائیاں ثابت کرنے کی کوشش اس لئے کرتے ہیں کہ اُن کا تعلق غیر اقوام سے ہوتا ہے۔ مثلاً پردہ ہی کو لیجئے۔ نوجوان عشرت پسند ترکوں کے ہاتھ میں

عنان حکومت آجانے سے پردہ ہٹایا گیا ۔ امان اللہ خاں کی بیگم نے ولایت جاکر پردہ اُٹھادیا ۔ حال میں بیگم صاحبہ خیرپور نے یورپ جاکر پردہ ترک کردیا ۔ جس پر اخبار پرتاپ اپنی ۸ ر فروری ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں طنزاً لکھتا ہے کہ "اسلام زندہ باد" اور اخبار ملاپ نے بھی اپنے ۱۲ ر فروری ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں اکبر الہ آبادی کے اس شعر پر مذاق اُڑایا ہے ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۔ قوم نے ڈھونڈھ لی فلاح کی راہ
یہ تماشا دکھائیگا کیا سین ۔ پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اسی طرح بعض متعصب اخبارات بے پردگی کا تلخ تجربہ کر چکنے کے باوجود بھی پردہ اور طلاق جیسی عمدہ رسوم و رواج کے خلاف لکھنے میں ہی ویدک دھرم کی جے سمجھ بیٹھے ہیں ۔ اور پردہ و طلاق کے خلاف ایسی ایسی مثالوں کو وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں جو بعض عالی خاندان لیکن نادور اندیش مستورات سے گاہ بگاہ سرزد ہوتی رہتی ہیں محض اسلئے کہ فی زمانہ انکا اہل اسلام سے تعلق ہے اور اسلام کی کوئی بات خواہ وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو محض اسلامی ہونے کے "جرم" سے آریہ سماجیوں کے نزدیک قابل اعتراض ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ کسی ایسے عمدہ رسم و رواج کا جو ویدک دھرم میں نہ پایا جاتا ہو کسی دیگر مذہب میں پایا جانا ویدک دھرم کو مقابلتہً کمزور اور نامکمل ثابت کرتا ہے ۔ اگر پردہ کی ضرورت اور ایجاد پر ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کیا جائے تو بے شک نتیجہ پردہ کے حق میں ہی نکلیگا ۔ پردہ کی غرض صرف یہ ہے کہ حیوانی جذبات سے مردوں اور عورتوں کو روکا جائے ۔ اور کہ ان جرائم میں کمی واقع ہو جو بے پردگی سے اکثر ظہور میں آتے رہتے ہیں ۔ غالباً پردہ کے مخالف لوگ بھی غیر اشخاص کا اپنے گھروں میں اپنی بہو بیٹیوں کے سامنے آنا گوارا نہیں کرینگے ۔ یہ پردہ نہیں تو کیا ہے؟ مگر افسوس کہ غیر اشخاص کے سامنے بازاروں ۔ تیوہاروں اور میلوں میں اپنی مستورات کو ننگے مُنہ اور بعض اوقات بعض برہمو سماجیوں کا ننگے سر پھرانے میں شرم محسوس نہیں کرتے ۔ استری یا مستورات کہتے ہی اسے ہیں جو ستر یعنی پردہ والی ہو ۔ ایک مرتبہ

سوامی شردھانند جی نے پردہ کے خلاف لکھ دیا۔ مگر سوائے اسکے کہ پردہ سے عورتوں کی صحت خراب ہو جاتی ہے دیگر کوئی دلیل نہیں دی۔ میرے جواب پر کہ پردہ دار مسلمان عورتوں کی جوانی اور صحت غیر پردہ دار عورتوں کی نسبت زیادہ دیرپا دیکھی جاتی ہے سوامی جی نے یہ جواب دیا کہ مسلمان عورتیں چونکہ گوشت وغیرہ کھاتی ہیں اسلئے انکی صحت اور جوانی دیرپا ہوتی ہے۔ لیکن جب میں نے کہا کہ اگر گوشتخوری معاون صحت ہے تو گوشتخوری کو آریہ سماج برا کیوں تبلاتا ہے؟ اس پر سوامی جی لاجواب ہو گئے۔ میں نے پھر کہا کہ آپنے جب گورو کل کانگڑی کھولا تو پہلے آپنے برہمچاریوں کو انکی ماؤں اور بہنوں سے ملنے کی ممانعت کیوں کی تھی؟ اسی لئے نا کہ ماؤں بہنوں کے ساتھ بھی ملنے سے برہمچاریوں کے چال چلن بگڑنے کا اندیشہ ہے؟ ورنہ اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور منوسمرتی وغیرہ میں یہ لکھنا کہ علیحدگی میں ماں بیٹی اور بہن کے پاس بھی نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جوان مرد کو اپنی ماں بیٹی اور بہن سے بھی پردہ کرنے کی ضرورت ہے اور ستیارتھ پرکاش میں لڑکوں اور لڑکیوں کے گوروکلوں (سکولوں) کا کئی میلوں کے فاصلہ پر قائم کرنا مردوں اور عورتوں کے پردہ پنا قابل تردید دلیل ہے۔ پس جب آپ لڑکوں کا پردہ اس قدر ضروری سمجھتے ہیں تو صنف نازک لڑکیوں کا پردہ کیوں ضروری نہیں سمجھتے؟ اسکے جواب میں سوامی جی لاجواب ہو کر چپ ہو گئے۔ صرف یہ کہا کہ پردہ کرنے سے کافی ہوا نہ لگنے سے چہرہ پژمردہ ہو جاتا ہے اور رنگ پیلا پڑ جاتا ہے جس کا میں نے ناقابل تردید یہ جواب دیا کہ باقی سارے جسم پر کپڑے پہنے رہنے سے جب سارا جسم پژمردہ یا سیاہ نہیں پڑتا تو کوئی وجہ نہیں کہ چہرہ پر نقاب رکھنے سے چہرہ کالا پڑ جائے حقیقت تو یہ ہے کہ جس قدر حصہ جسم کا کپڑے سے ڈھکا رہتا ہے وہ برہنہ حصہ کی نسبت زیادہ سفید اور خوبصورت رہتا ہے۔ مثلاً ہاتھ کا بازو ڈھکا رہنے سے پنجہ کی نسبت زیادہ سفید اور خوشنما رہتا ہے اسلئے پردہ کرنے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ نہ ہی برقعہ وغیرہ اوڑھ لینے سے بینائی میں کوئی فرق آتا ہے۔ جس طرح بند دروازوں کے اندر انسان چھوٹے سے سوراخ سے باہر کی سب اشیاء کو دیکھ سکتا ہے لیکن باہر کا انسان بند دروازوں

کے اندر اسی سوراخ کے ذریعہ نہیں دیکھ پاتا۔ اسی طرح برقعہ میں سے عورتیں سب کچھ دیکھ سکتی ہیں اور سب کام انجام دے سکتی ہیں اور باہر سے مرد عورتوں کو دیکھ بھی نہیں پاتے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ حاکم اقوام کے رسم و رواج کا نہایت گہرا اثر محکوم رعایا پر ہوا کرتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت ہندوستان بھی مغربی حکمران قوم کے رسم و رواج سے متاثر ہو رہا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ عیش و عشرت پسند جوان مردوں اور عورتوں میں پردہ دری کی خواہش پائی جاتی ہے جسکی تہ میں چھپی ہوئی نفسانیت ہے۔ نہ کہ انسانیت شیکسپیر کا اگر یہ مقولہ صحیح ہے اور بے شک صحیح ہے کہ شباب نیک و بد میں تمیز کرنے کا موقع نہیں دیتا تو جوان عورتوں کے لئے پردہ نہایت ضروری چیز ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی تہذیب نے مشرقی عورت کو غلامی کے گڑھے میں سے نکال کر مساوات کا درجہ دلایا ہے جسکے لئے ہم عیسائیت اور مغربی تہذیب کے مشکور ہیں۔ کیونکہ اسلام میں عورت کا درجہ محکوم اور ہندو مذہب میں داسی (غلام) کا ہے۔ مغربی تہذیب نے ہمیں تبلایا کہ بیوی خاوند کا بہتر نصف ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی میں یہ کہہ دینے سے رُک نہیں سکتی کہ حد اعتدال سے بڑھی ہوئی ہر شے خراب ہو جاتی ہے۔ مغربی تہذیب میں عورت کی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی موجب آزار ہونے والی ہے جس کا تذکرہ مغربی اخباروں میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ یہ ابھی مغرب کا نیا تجربہ ہے مشرق کو اس سے بچنا چاہیئے۔ مغربی اور مشرقی تہذیبوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ خود مشرق اور مغرب میں ہے۔ مغرب میں عصمت نسوانی مرکز تہذیب نہیں مانا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں پردہ ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اور یہ بھی ایک قدرتی بات ہے کہ زیادتی دولت انسان کو عیش و عشرت میں ڈال دیتی ہے مغربی ممالک کی بڑھی ہوئی دولت پردہ کے خلاف ہے۔ مس میو نے مدر انڈیا میں مشرق کی عورتوں کی عفت و عصمت پر نازیبا حملے کئے ہیں۔ انکا ایک جملہ میں یہ جواب ہے کہ بھارت ماتا کی گود میں پیدا شدہ ہزاروں لاکھوں عورتیں اپنے خاوندوں کی محبت میں زندہ چتا میں جل مریں اور سینکڑوں پردہ دار ایسی بھی اس کلجگ کے

[illegible] سکتی ہیں جنھوں نے ساری عمر غیر مردوں کی شکل نہیں دیکھی۔ کیا مغرب اور خاص کر امریکہ نے کبھی ایک مثال بھی ایسی پیش کی ہے؟ اگر نہیں تو مس میو کو شرمندہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ اسے مغربی عورت کی شان میں ہتک آمیز سمجھا جائیگا لیکن یہ ایک تلخ سچائی ہے جو مجھے میری چند مغربی سہیلیوں نے خود بتلائی ہے کہ بے پردگی اور حد اعتدال سے تجاوز کردہ آزادی کی وجہ سے شاید کسی مغربی خاوند کو بھی شادی کے وقت حقیقی معنوں میں باکرہ لڑکی نہیں ملتی۔ اس مغربی تہذیب کی مالک مس میو بھی بھارت ماتا کی سپتریوں کو منہ دکھلا سکتی ہے؟ آخر اس کا باعث کیا ہے؟ یہی ہو گی کہ بے پردگی اور حد اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی۔ مردوں اور عورتوں کا کپڑے پہننا نہ صرف گرمی اور سردی کی حفاظت کے لئے ہی ہے بلکہ پردہ کے لئے بھی۔ آجکل مغرب میں ایک اور لہر چل رہی ہے یعنی بعض مرد اور عورتیں برہنہ جسم ہیں لیکن عوام اسے بنظر حقارت دیکھتے ہیں اور ان لوگوں کو عام بازاروں اور شارع عام پر آنیکی اجازت نہیں یہ کیوں؟ اسی لئے نا کہ حد سے زیادہ بے پردگی کسی سوسائٹی کی عصمت مآبی کے منافی ہے پھر زینت کے مقامات سر، منہ، چھاتی ہاتھ وغیرہ کو جو خصوصاً باعث تحریک ہوتے ہیں۔ غیر مردوں سے چھپانا کیوں ضروری نہیں۔ یہ چہرہ ہی ہے جسے دیکھکر خوبصورت اور بدصورت کا امتیاز ہوتا ہے۔ اور خوبصورت چہرہ دیکھکر ہی مرد کے دل میں عورت کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ بلا دیکھے محبت کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ اسلئے اگر آپ لڑکیوں کو برہمچاری مردوں کو بہادر اور عورتوں کو پتی ورتا بنانا چاہتے ہیں تو اپنی بچیوں اور بیٹیوں کو پردہ میں رہنا سکھلاؤ۔ اور جوان مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور ملنے کا موقع کبھی نہ دو یہی حقیقی پردہ ہے۔ خواہ عورتوں کو گھر کی چار دیواریوں کے اندر رکھو خواہ برقعہ یا گھونگٹ کے اندر جبکہ وہ گھر سے باہر نکلیں۔ ہاں میں حد اعتدال سے بڑھے ہوئے پردے کو بھی جس سے کہ عورتوں کو قیدی بنا کر انکی صحت کے بگڑنے کا احتمال ہو اتنا ہی برا سمجھتی ہوں جتنا کہ حد سے تجاوز کی ہوئی آزادی کو۔ اسلئے اگر زیادہ سے زیادہ کیا جائے تو برقعہ میں آنکھوں اور منہ کے سامنے ایک ایسی باریک جالی

لگانی چاہئے جس سے بصارت اور سانس لینے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو لیکن باہر جاتے وقت عورتوں کا برقعہ اوڑھنا یا کم از کم گھونگھٹ نکالنا ازبس ضروری ہے۔ پردہ کی اصل منشاء یہ ہے کہ مردوں کو غیر عورتوں کے دیکھنے کا موقع نہ ملے اور چونکہ عشق چہرہ دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا عورتوں کا چہرہ چھپانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا باقی مقامات زینت۔ ورنہ یاد رکھیو کہ ہندوستان میں بھی امریکہ وغیرہ کی مثل باکرہ بیبیوں کا ملنا مشکل اور ستیوں کا پتی ورت دہرم ایک افسانہ ماضی بنجائیگا۔ اور تب اکبر الہ آبادی کے مندرجہ بالا شعر کی صداقت یاد آئے گی۔ لیکن ؎

آنچہ دانا کند کند ناداں — لیک بعد از ہزار رسوائی

نہایت دور اندیش شاعر اکبر الہ آبادی کا یہ شعر بھی سن لیجئے ؎

بے پردہ دیکھیں میں نے جو کل چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو بیبیو! تمہارا پردہ گیا کہاں؟ — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

یوروپین، یا بعض دیگر دیسی افسروں کی بہو بیٹیاں جو بے پردہ پھرتی ہیں ان کو بوجہ خوف کے کسی مرد کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی لیکن غریب عوام کا بے پردہ پھرنا مناسب نہیں ہے۔ بعض غریب بد شکل۔ کمزور اور بیمار مردوں کی بہو بیٹیاں ذرا سا موقعہ۔ تحریک اور لالچ ملنے سے نکل بھاگنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں اور بے پردگی ایسے بے شمار واقعات میں ممد ثابت ہوئی ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ پردہ میں کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک نیکی سے بدی پیوستہ۔ لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ پردہ کی خوبیاں خرابیوں کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ سب اچھی اشیاء پردہ میں ہیں۔ اگر پردہ برا ہوتا تو خدا پردہ میں کیوں ہوتا؟

نوٹ:۔ پردہ کے معاون سب کھ۔ ہندو مسلم اخباروں سے درخواست ہے کہ اس مضمون کو اپنے اخباروں میں نقل فرما کر راقمہ کو مشکور و ممنون فرماویں تا ملک کے سب گروہوں کے مرد و زن کو پردہ کی ضرورت محسوس ہو۔ اگر کسی بہن یا بھائی کو پردہ کے خلاف کچھ شکایت ہو تو اخبار اہلحدیث میں لکھکر پرچہ مجھے بھجوا دیں میں اعتراضات کا تدارک کرنیکی کوشش کرونگی۔ راقمہ لیلاوتی

(منقول از اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱ ہجری)

مولوی ثناء اللہ صاحب خوب ہی سمجھے

ہمارے ہم جماعت جناب مولوی حاجی ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر لکھتے ہیں

ایک ضروری استفسار

بحضور مدیر "اہلحدیث" دام فیوضہم

السلام علیکم :۔ واضح ہو کہ ایک فرق ہائے باطلہ نے حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اپنی کم علمی اور عدم فہمی کی وجہ سے مورد الزام وطعن بنا رکھا ہے۔ اور ہر وقت کوئی نہ کوئی الزام اس شریف علم کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ باقی فرقہ ہا کو جانے دیجئے صرف فرقہ شیعہ ہی کو لیجئے۔ اس کو علم حدیث سے اس قدر دوری ہے کہ خدا کی پناہ! کئی ایک رسالے و اخبارات حدیث کی برائی و ہجو میں سیاہ ہو رہے ہیں۔ آج خاکسار ان کے ایک رسالہ "اصلاح" کے دو اعتراض نقل کر کے آنجناب کی خدمت میں بغرض جواب بھیج رہا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ کس قدر دریدہ دہنی سے مضمون نگار نے حدیث شریف پر بیجا حملہ کیا ہے (وہو ہذا)

(۱) **رسول اللہ کی چوری** | چنانچہ پہلی صفت چوری کرنا ہے اسکی روایات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ملاحظہ ہوں سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی سے جو دو نوں صحاح ستہ میں داخل ہیں کتاب تلخیص الصحاح مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۱۴۲ میں یہ عبارت مرقوم ہے :۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال نزلت ھذہ الآیات وما کان لنبی ان یغل فی قطیفہ حمراء فقدت یوم بدر فقال بعض القوم لعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اخذھا فانزل اللہ تعالی ھذہ الآیات (ابوداؤد ترمذی) "یعنی ابن عباس رض سے آیت مبارکہ ما کان لنبی ان یغل (یعنی نبی کا یہ کام نہیں ہے کہ کوئی چیز چرا لے) کی شان نزول اس طرح مروی ہے کہ بدر کی لڑائی میں غنیمت کے مال سے ایک سرخ رنگ کی رضائی یا چادر کھوئی گئی تو بعض صحابہ نے کہا کہ شاید رسول صلعم نے چرائی ہو۔ تب خدا نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی۔ ابوداؤد و ترمذی اسے تخریج کرتے ہیں"

(۲) **"رسول اللہ کا ارادہ زنا کرنا"** | روایت صحیح بخاری کا دوسرا حصہ یا مضمون یہ ہے

کہ کوئی شخص زنا بھی کرے تو جنت میں جائیگا۔ حضرات اہل سنت نے اسمیں بھی جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبتلا کر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اُن کی صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ کتاب الطلاق میں ہے:

نوٹ احدیث شریف کے صرف ترجمہ پر اکتفا کیجاتی ہے " یعنی اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کس نے جناب رسولخدا سے خدا کی پناہ مانگی تھی؟ تو زہری نے کہا مجھ سے عروہ نے بیان کیا ہے کہ اُس سے حضرت عائشہ رض نے فرمایا تھا کہ جون کی بیٹی جب حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی اور حضرت صلعم اس سے قریب ہوئے تو اُس نے حضرت کو خطاب کر کے کہا اعوذ باللہ منک (اے محمدؐ میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، تو حضرت نے اُس سے فرمایا کہ تم نے بڑی ذات کی پناہ مانگی۔ اپنے خاندان میں واپس چلی جاؤ۔ ابو اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ ایک دفعہ ہم لوگ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے باہر ایک باغ کی طرف چلے جس کو شوط کہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ دو باغوں کے قریب پہونچے اور ان دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے تاکہ دونوں باغ دونوں طرف سے پردہ کا کام کریں۔ اور ہم لوگوں کی کارروائی کسی آنے جانے والے پر ظاہر نہ ہو۔ وہاں پہنچنے پر رسولخدا صلعم نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں بیٹھ جاؤ اور خود حضرت اندر داخل ہوئے جہاں جونیہ لائی گئی تھی۔ اور امینہ بنت النعمان بن شراحیل کے گھر میں کھجور کی شاخوں میں ایک کمرہ میں بٹھائی گئی تھی۔ اور اُسکے ساتھ اُسکی دایہ حاضنہ بھی تھی۔ غرض جب آنحضرت اس جونیہ کے پاس پہونچے تو اُس سے کہا مجھے اپنا نفس بخشدے۔ اس پر وہ فوراً بولی کیا شہزادی بھی بازاری لوگوں کو اپنا نفس بخشتی ہے؟ یہ سُنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اُدھر بڑھایا۔ اُسکے بدن پر رکھتے تھے تاکہ وہ نرم ہو جائے مگر وہ بگڑ گئی اور کہا (اعوذ باللہ منک) میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ کیونکہ اس کے سوا اس مجبوری میں اور کیا کر سکتی تھی جب معاملہ الساعۃ پیش آگیا تھا تو غالباً اُس نے بلند آواز سے کہا ہوگا جو باہر تک گونج گئی ہوگی (کیونکہ جب وہ راضی نہیں تھی تو آہستہ کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی) تو

حضرت نے اُس سے کہا کہ تو نے بڑی پناہ مانگی۔ پھر حضرت (مایوس ہو کر) اُس گھر سے نکل آئے اور مجھ سے کہا اے ابو اسید اس کو دو رازقیہ پہننے کو دیدو (جو کتان کا سپید کپڑا ہوتا ہے) اور اس کے گھر تک واپس پہنچا دو۔ انتھیٰ

شیعہ مضمون نگار اس حدیث کے ترجمہ سے فراغت حاصل کرکے اپنا ریمارک لکھتا ہے۔

"اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت جونیہ نہ خود سے آئی نہ اپنے اہل وعیال کی اجازت سے طلب کیگئی۔ اور یہ معاملہ اس درجہ مخفی کیا گیا کہ حضرت اپنے مخصوص احباب کے ساتھ مدینہ سے باہر دو باغوں کے درمیان میں ٹھہرے اور کھجور کا ایک کمرہ بنایا گیا اُس میں وہ رکھی گئی۔ حضرت نے اُس سے اپنی خواہش ظاہر کی تو اُس نے انکار کیا۔ اس پر حضرت نے ہاتھ بڑھا کر کوشش کرنی چاہی مگر اُس نے تیور بدل دیا جس پر حضرت مجبور ہو گئے جو واضح کرتا ہے کہ حضرت کی نیت اس عورت کے ساتھ کیا تھی۔ حالانکہ اسی صحیح بخاری کی پہلی حدیث یہ ہے "انما الاعمال بالنیات" یعنی انسان کے اعمال اُسکی نیت ہی پر موقوف ہیں۔ پس جب حضرت کی نیت واضح ہو گئی تو اب کیا امر باقی رہا۔

اس روایت سے ایک اور امر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش ہائے نفسانی کے پورا کرنے میں خداوند عالم کے دوسرے احکام کی مخالفت کا بھی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ عورت جونیہ کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوتا کہ مسلمان رہی ہو۔ اس لئے کہ جو مسلمان عورت حضرت کی صحبت میں ایک منٹ بھی بیٹھ جاتی تھی وہ صحابیت کی صفت سے متصف ہو جاتی تھی۔ پس اگر یہ عورت مسلمان ہوتی تو یہ بھی صحابیہ ہوتی۔ حالانکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ میں جن صحابی عورتوں کا نام لکھا ہے اُنیں اس عورت کا نام بھی نہیں لیا۔ گو دوسری عورتوں کے ذکر میں اسکا قصہ لکھا ہے۔ مگر صحابیات میں اسکا ذکر نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ عورت مسلمان نہیں تھی۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جب وہ باغ میں لائی گئی اور حضرت اُسکے پاس تشریف لیگئے تو اُس سے یہ نہیں فرمایا کہ (انکحی ایاک ایای یا انکحی نفسک ایای) اپنا نکاح مجھ سے کردے۔ نہ یہ فرمایا کہ زوجی نفسک منی یعنی اپنی تزویج مجھ سے کردے بلکہ وہ لفظ فرمایا جو ناجائز طریقہ پر مطلب حاصل کرنے کے لئے مشترکہ

عورتوں سے کہا جاتا ہے کہ ھبی نفسک لی یعنی تو اپنا نفس مجھے بخشدے حالانکہ مشرکہ عورتوں سے تو نکاح تک کرنے کیلئے خدا نے منع فرمایا ہے۔ چہ جائیکہ بغیر نکاح کے اُس سے مطلب پورا کرنا۔ چنانچہ سورہ بقرہ رکوع ۱۱ میں فرماتا ہے ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن یعنی اے رسول تم اور کل مسلمان مشرکہ عورتوں سے نکاح تک کرنا لیکن حضرات اہل سنت کی نہایت صحیح دینی کتاب صحیح بخاری کہتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرکہ عورت سے بغیر نکاح ہی کے مطلب براری کی کوشش کی۔ شاید اسی بارے میں کہا گیا ہے ع۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

راقم ع۔ ح صدر الافاضل۔ نقل رسالہ اصلاح از ص۳۲ لغایۃ ص۳۶ نمبر ۱ جلد ۲۸"

اہلحدیث سائل ہذا نے جس سوال نمبر ۲ کو آج شیعہ رسالہ سے نقل کرکے بڑی تڑپ سے جواب طلب کیا ہے۔ اس کا جواب اہلحدیث مورخہ ۳ نومبر ۱۹۲۲ء میں ہم نے دیا ہوا ہے آج بھی حسب منشا سائل و دیگر جدید خریداروں کے لئے مختصر طور پر ہم بتاتے ہیں۔

جواب نمبر ۱ قرآن شریف کی شہادت ہے کہ بعض بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کچھ ایسا الزام یا عیب لگایا جس سے اُنکو تکلیف ہوئی اور خدا نے اُن کو اس الزام سے پاک کیا۔ غور سے پڑھئے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ؕ (پ ۲۲ ع ۶)

"یعنی مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے حضرت موسیٰ کو تکلیف دی پھر خدا نے اُس کو اس الزام سے پاک کیا" بتایئے دشمن تہمت لگائے اور خدا اس تہمت کو دور کرے تو یہ کوئی نقص ہے یا تعریف؟ یہ قرآنی فیصلہ اور فرقانی اصل الاصول۔

اب سُنئے! اسی طرح کسی بے ایمان منافق نے کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر عنبن کرلی۔ خدا نے بالفاظ خود اس الزام کو دفع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عصمت ثابت ہوئی یا نقصان؟ گیا یہ سچ ہے ؎ گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است

جواب نمبر ۲ اصل باعث فساد راقم مضمون کا وہ عناد ہے جو سارے ائمہ اسلام خصوصاً حضرت امام بخاری سے ان کو ہے۔ ورنہ دیانت اور صداقت سے کام لیتے تو جو روایت

معترض نے صحیح بخاری کی نقل کی ہے اس میں اس اعتراض کا جواب بھی موجود ہے۔
تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیمۃ بنت شراحیل[1] فلما ادخلت علیہ
بسط یدہ الیھا فکانھا کرھت فامر ابا اسید ان یجھزھا ویکسوھا
ثوبین رازقیین۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۹)
اس روایت کے شروع میں صاف لفظوں میں ذکر ہے کہ آنحضرت اس عورت سے نکاح کر چکے تھے جب اس کے پاس گئے تو اس نے آپ کو دیکھا نہ تھا اس لئے پہچانا نہیں[5]۔ اس عدم پہچان میں اس نے کراہت کی حالت میں آنحضرتؐ کو کہہ دیا اعوذ باللہ منک جیسے حضرت مریم نے جبرئیل کو مرد کی صورت میں دیکھکر کہا اِنِّیۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ (مریم)۔ آنحضرتؐ نے اس کراہت کا جواب ترک سے دیا۔ کیونکہ آپ نے سمجھا کہ جبراً اس کو رکھنا اچھا نہیں۔ حکم دیا کہ اس کو جوڑہ کپڑوں کا دیکر عزت کے ساتھ رخصت کرو۔
ہم نے جو کہا کہ اس عورت نے عدم معرفت میں ایسا کہا۔ اسکا ثبوت ہمارے پاس یہ ہے:۔
قالوا لھا اتدرین من ھذا قالت لا قالوا ھذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (بخاری صفحہ ۸۴۲)
"لوگوں نے اس عورت کو کہا تو جانتی ہے یہ کون ہیں؟ اس نے کہا میں نہیں جانتی لوگوں نے کہا یہ رسول اللہ ہیں۔ الخ"
پس اس قصہ کی ساری روایات سامنے رکھکر غور کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نیت سے جونیہ کے پاس گئے تھے جس نیت سے خاوند بیوی کے پاس جاتا ہے جو کسی مذہب میں ناجائز نہیں۔ پس ایسے معترضین کو کہہ دو ؎

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

(منقول از اخبار اہلحدیث امرتسر نمبر ۲۲ جلد ۳۰ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۵۱ ہجری صفحہ ۱۱ تا ۱۲)

---

[1] یہ جونیہ کا اصلی نام ہے ۱۲ [5] عدم شناخت کا سبب تھا کہ نکاح وکالتاً ہوا تھا ۱۱

مذکور بالا مضمون پڑھکر ہماری زبان سے بیساختہ یہ جملہ نکلا کہ "مولوی ثناء اللہ صاحب خوب ہی سمجھے"۔ اے حضرت کون شیعہ حضرت رسولخدا صلعم کی کمال عصمت کا قائل نہیں اور کون مومن حضرت رسولخدا صلعم پر کوئی اعتراض کرسکتا ہے جو آپ سے ہم پوچھتے ہیں کہ "خدا نے بالفاظ خود اس الزام کو دفع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عصمت ثابت ہوئی یا نقصان؟"۔ البتہ یہ بتایئے کہ آپ کی صحاح ستہ کی کتابوں سے سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی نے حضرت رسولخدا صلعم کو چور ثابت کیا یا نہیں؟ آپ کس سادگی سے جواب میں تمسخر فرماتے ہیں "اسی طرح کسی بے ایمان منافق نے کہدیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر غبن کرلی"۔ جناب حاجی صاحب! آپ تو مولوی فاضل بھی ہیں ذرہ ارشاد تو فرمایئے کہ منافق نے کہدیا" آپ نے کہاں سے لکھا۔ کہنے والے کا بے ایمان ہونا یقینی ہے جس پر ہم آپ سے متفق ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ کہنے والے منافق تھے یا آپ کے صحابہ کرام۔ بس اسی کو طے کر دیجئے کہ کس دلیل سے آپ کہنے والے کو منافق قرار دیتے ہیں اور کس حجت سے آپ اپنے صحابہ کرام کو اس بے ایمانی سے محفوظ کرسکتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں فقال بعض القوم لعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا یعنی بعض قوم نے کہا کہ شاید رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے چرالی ہے۔ اس بعض قوم کا ترجمہ آپ منافق کس لغت سے کرتے ہیں؟ فرقہ اہلحدیث کے بڑے پیشوا جناب مولوی ابو الحسن محمد محی الدین خانصاحب نے جو آپ کی طرح مولوی فاضل بھی تھے تلخیص الصحاح لکھی ہے انھوں نے اس عربی عبارت کا اردو ترجمہ اس طرح کیا ہے" ابن عباس رض ما کان لنبی ان یغل کی شان نزول اس طرح مروی ہے کہ بدر کی لڑائی میں غنیمت کے مال سے ایک سرخ رنگ کی روئیدار چادر کھوئی گئی تو بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لی ہو۔ تب خدا نے یہ آیت شریف نازل فرمائی۔ ابوداؤد اور ترمذی اسکے راوی ہیں" (تلخیص الصحاح جلد ا صلہ ۱۴۲)۔ اگر کسی منافق نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کے پیشوا مولوی صاحب موصوف بھی اس کا ترجمہ "بعض منافق" کرتے مگر وہ حق کو کہاں تک چھپاتے مجبوراً ان کو "بعض لوگوں" ترجمہ کرنا پڑا۔ اور وہ یقیناً صحابہ

کرام ہی تھے اس لئے کہ اگر کسی منافق کا یہ قول ہوتا تو جناب ابن عباس فقال بعض القوم نہیں کہتے بلکہ فقال المنافقون یا فقال بعض المنافقین کہتے تاکہ صحابہ کرام کے متعلق اس قول کا شبہ نہ ہوتا مگر جب صحابہ کرام ہی نے یہ بات کہی تو جناب ابن عباس نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ان کہنے والوں میں کوئی شخص مجھے نہ سمجھے فرمایا بعض القوم یعنی سب صحابہ نے یہ بات نہیں کی بلکہ بعض صحابہ نے فرمائی تھی چنانچہ آیکی دوسری کتب تفسیر وحدیث بھی ہماری ہی تائید کرتی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے نزلت ھذہ الآیۃ وما کان لنبی ان یغل فی قطیفۃ حمراء افتقدت یوم بدر فقال بعض الناس لعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا یعنی یہ آیۃ کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ خیانت کرے ایک سرخ چادر کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ بدر میں کھو گئی تھی تو بعض ناس نے کہا کہ شاید رسولخدا صلعم نے چرالی ہو۔ ملاحظہ کیجیے اسمیں بعض الناس ہے بعض المنافقین نہیں ہے۔ اور ملاحظہ ہو انما کانت فی قطیفۃ قالوا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غلھا یوم بدر یعنی یہ آیۃ ایک چادر کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر میں لے لی ہے۔ اسمیں قالوا ہے۔ اگر منافقین کہے ہوتے تو حضرت ابن عباس کو انکا لفظ کہنے میں کیوں تامل ہوتا؟ اس سے واضح تر دلیل ملاحظہ ہو۔ اخرج عبد بن حمید وابن جریر عن قتادہ والربیع وما کان لنبی ان یغل یقول ما کان لنبی ان یغلہ اصحابہ الذین معہ وذکر لنا ان ھذہ الآیۃ نزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر وقد غل طوائف من اصحابہ یعنی مفسرین نے اس آیہ وما کان لنبی ان یغل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خدا کا مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اسکے صحابہ کرام جو اس کے ساتھ رہتے ہیں چوری کریں۔ اور ہم لوگوں سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیۃ حضرت رسولخدا صلعم پر غزوہ بدر میں نازل ہوئی جب حضرت کے صحابہ کرام سے بعض لوگوں نے چوری کی تھی (تفسیر در منثور جلد ۲ صلاو)۔ یعنی وہ چادر گم ہوئی تو چرایا صحابہ کرام نے مگر نام لگا دیا حضرت رسولخدا صلعم

کا کہ حضرتؐ نے چرائی ہے۔ آپ ہی انصاف فرمائیں یہاں کہیں منافقین کا ذکر یا اشارہ تک بھی ہے؟ انکا تو کوئی تعلق ہی اس واقعہ سے نہیں ہے صحابہ کرام کا مجمع ہے۔ حضرت رسولخدا صلعم بھی موجود ہیں۔ چادر گم ہوتی ہے اور چُراتے ہیں خود صحابہ کرام مگر جب اسکی تلاش ہونے لگتی ہے تو اپنی چوری چھپانے کے لیے صحابہ کرام کہہ دیتے ہیں کہ شاید حضرت رسولخدا صلعم نے چرائی ہو۔ یہاں منافقین کس ربط سے سمجھے جا سکتے ہیں؟ یہ چوری کا واقعہ ویسا ہی ہے جیسا غزوۂ خیبر میں ہوا کہ حضرت عمر بھاگ کر آئے تو حضرت رسولخدا صلعم سے کہتے تھے کہ یا حضرت میں کیا کرتا میری فوج نے بزدلی کی۔ اور فوج کہتی تھی کہ یا حضرت ہم کیا کرتے جب ہمارے سردار صاحب ہی نامرد نکلے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳) فرق ہے تو صرف اس قدر کہ غزوہ خیبر میں حضرت رسولخدا صلعم نے فوج کو سچا اور حضرت عمر کو جھوٹا مانا کہ دوسرے دن فوج کو نہیں بدلا۔ البتہ سردار فوج کو بدل دیا اور حضرت عمر کو معزول کرکے جناب امیرؑ کو اسی فوج کے ساتھ بھیج دیا۔ اور یہاں خدا فرماتا ہے کہ رسول کی شان یہ نہیں ہے کہ چوری کرے۔ حسن کا مطلب واضح ہے کہ خود صحابہ ہی نے وہ چادر چرائی ہے۔ اور چور بناتے ہیں اپنے رسولؐ کو۔ اور علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے روی عکرمہ وسعید بن جبیر ان الآیۃ نزلت فی قطیفۃ حمراء فقدت یوم بدر فقال بعض الجہال لعل النبی صلے اللہ علیہ وسلم اخذھا فنزلت ھذہ الآیۃ یعنی عکرمہ اور سعید بن جبیر نے اس آیۃ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ایک سرخ چادر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غزوۂ بدر میں کھوئی گئی تو بعض جاہلوں نے کہا کہ شاید رسولخدا صلعم نے لے لی ہو۔ اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۳) کیوں مولوی ثناء اللہ صاحب اب تو آپ کو پورا یقین ہوا کہ وہ صحابہ ہی تھے جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم پر چوری کا الزام لگایا اور منافقین نہیں تھے۔ اگرچہ امام رازی ان صحابہ کو جاہل کہتے ہیں مگر منافق تو نہیں کہا۔ بہرکیف وہ صحابہ جاہل رہے ہوں یا عالم اس سے ہمیں بحث نہیں دکھانا یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے چور بتانے والے

منافق نہیں تھے بلکہ آپ کے صحابہ کرام تھے۔ اور آپکے علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے نزلت ھذہ الآیۃ یوم بدر وقد غل بعض اصحابہ یعنی یہ آیۃ غزوہ بدر میں نازل ہوئی جب آنحضرتؐ کے بعض صحابہ کرام نے چوری کی تھی فقدوا قطیفۃ یوم بدر فقالوا لعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا یعنی وہ سرخ چادر کھوئی گئی تو صحابہ نے کہا کہ شاید رسولخدا صلعم نے چرالیا ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۰۷ و ۳۰۸)

صحابہ کرام کے نام کی تصریح اگر مذکورہ بالا بیان سے بھی مولوی ثناء اللہ صاحب کی تشفی نہ ہو تو اب ہم وہ عبارتیں لکھتے ہیں جنمیں صاف صاف صحابہ کرام کے اتہام لگانے کی تصریح موجود ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن ابن عباس وما کان لنبی ان یغل قال ما کان للنبی ان یتھمہ اصحابہ یعنی حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ خدا نے جو فرمایا ہے کہ نبی خیانت نہیں کرتا تو مطلب ہے کہ نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اسکے صحابہ اس پر اتہام لگائیں (تفسیر در منثور جلد ۲ ص ۹۱) اسمیں صاف ان یتھمہ اصحابہ ہے جس سے واضح ہو گیا کہ بے ایمان منافق نے آنحضرتؐ پر اتہام نہیں لگایا تھا بلکہ صحابہ کرام ہی نے آنحضرتؐ پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ اور آپکے پیشوائے اعظم جناب نواب مولوی صدیق حسن خانصاحب بھوپالی نے بھی لکھا ہے وقال ابن عباس ما کان لہ ان یتھمہ اصحابہ یعنی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ اسکے اصحاب اس پر اتہام لگائیں (تفسیر فتح البیان جلد ۲ ص ۱۳۲)۔ اس سے بھی مثل آفتاب روشن ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے صحابہ کرام ہی نے حضرت پر چوری کا اتہام لگایا تھا جس کو خدا منع کر رہا ہے اور سمجھاتا ہے کہ تم کیوں حضرت پر اتہام کرتے ہو۔ نبی چوری نہیں کرتا ہے۔ نہ اسکی شان یہ ہے کہ تم چور بناؤ۔

خاتمہ کلام میں ایک روایت اور ملاحظہ فرمالیجئے آپکے بڑے مفسر بلکہ امام المفسرین علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے نزلت فی قطیفۃ فقدت من مغانم القوم یوم بدر فقال بعض من کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا یعنی یہ آیۃ ایک چادر کی وجہ سے اتری جو غزوہ بدر میں مال غنیمت سے تھی وہ کھوئی گئی تو بعض ان صحابہ سے جو حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ تھے کہنے لگے کہ شائد رسولخدا صلعم نے لیلی ہے عن ابن عباس وما کان لنبی ان یغل قال کان ذلک فی قطیفۃ حمراء فقدت فی

غزوۂ بدر، فقال اناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعل النبی اخذھا فانزل اللہ عز وجل وما کان لنبی ان یغل یعنی حضرت ابن عباس اس آیۃ وما کان لنبی ان یغل کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ ایک چادر غزوۂ بدر میں چوری گئی تو حضرت رسولخدا صلعم کے صحابہ کرام سے کچھ لوگوں نے کہا کہ شاید رسولخدا نے چرائی ہے۔ اسپر خدا نے یہ آیۃ نازل فرمائی (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۹۹)۔ ہمارے محترم اکیا اب آپ اپنی تاویل رکیک کو واپس لیں گے اور آیندہ نمبر میں اس کو بھی شایع کر دینگے کہ حضرت رسولخدا صلعم پر چوری کا اتہام لگانیوالے منافق نہیں تھے بلکہ صحابہ کرام ہی تھے؟ دیدہ باید۔

جواب نمبر ۲۔ اس میں مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں "جو روایت معترض نے صحیح بخاری کی نقل کی ہے اسمیں اس اعتراض کا جواب بھی موجود ہے تزوج النبی صلے اللہ علیہ وسلم امیمۃ بنت شراحیل" اور اسمیں شراحیل پر ۵ کا نشان لکھکر نیچے حاشیہ میں لکھا ہے "یہ جونیہ کا اصلی نام ہے"۔ سچ ہے چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ ایک ہی جگہ دو روایتیں موجود ہیں اور دونوں کے راوی دو۔ دونوں کا مضمون دو۔ اور دونوں کی متعلق عورتیں دو مگر مولوی صاحب کس ڈھٹائی سے امیمہ کو جونیہ اور جونیہ کو امیمہ بنا رہے ہیں۔ جب آپکے قلم کو ایسی ہی آزادی رہیگی تو ہمیں خوف ہے کہ وقت ضرورت آپ یہ بھی کہدینگے کہ ابو بکر درحقیقت حضرت عمر ہی کا اصلی نام ہے۔ یا حفصہ کے متعلق بھی لکھدینگے کہ یہ حضرت عائشہ کا اصلی نام ہے۔ امام بخاری نے کتاب الطلاق کے باب من طلق وھل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق میں حضرت رسولخدا کے متعلق تین عورتوں کا ذکر کیا ہے (۱) عن عائشہ رض ان ابنۃ الجون لما ادخلت علی رسول اللہ ودنا منھا قالت اعوذ باللہ منک فقال لھا لقد عذت بعظیم الحقی باھلک یعنی جون کی بیٹی جب حضرت رسولخدا صلعم کے پاس لائی گئی اور حضرت اُسکے پاس پہونچے تو اس نے کہا میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں حضرت نے فرمایا تو نے بڑے کی پناہ ڈھونڈی اپنے میکے واپس جا (۲) عن ابی اسید رض قال خرجنا مع النبی حتی انطلقنا الی حائط الخ یہی روایت جسکا جواب مولوی ثناء اللہ صاحب دینا چاہتے ہیں (۳) عن عباس بن سھل عن ابیہ وابی اسید قالا تزوج النبی امیمۃ بنت شراحیل فلما ادخلت علیہ لبسط یدہ الیھا فکانھا کرھت ذلک فامر ابا اسید ان یجھزھا

ابن سعد سے سمجھو تو یہیں لاد قین یعنی عباس بن سہل نے اپنے باپ اور ابو اسید سے روایت کی ہے دونوں بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے امیمہ دختر شراحیل سے شادی کی پھر جب وہ حضرت کے پاس لائی گئی اور حضرت نے اسکی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو شاید اس نے اس بات کو ناپسند کیا اس پر حضرت نے ابو اسید کو حکم دیا کہ اسکو رخصت کر دیں اور اسکو دو رازقی کپڑے پہنا دیں (صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۶۸ کتاب الطلاق) یہ تینوں روایتیں خود بول رہی ہیں کہ ایک دوسرے سے الگ ہیں (۱) پہلی روایت حضرت عائشہ سے ہے۔ دوسری صرف ابو اسید سے۔ تیسری دو آدمیوں سہل اور ابو اسید سے ملکر (۲) پہلی روایۃ جون کی بیٹی کے بارے میں ہے۔ دوسری روایۃ جونیہ کے بارے میں ہے جسکے باپ کا نام نہیں لکھا ہے اور تیسری روایت میں عورت کا نام امیمہ اور اسکے باپ کا نام شراحیل ہے (۳) پہلی روایۃ میں ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کہیں نہیں گئے بلکہ خود جون کی بیٹی حضرت کے پاس لائی گئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم چند صحابیوں کے ساتھ مدینہ سے باہر ایک آڑ کی جگہ گئے اور ایسی جگہ جا کر بیٹھے جسکو دو باغ گھیرے ہوئے تھے جس سے پورے پردے کا سامان موجود تھا۔ تیسری روایت میں ہے کہ حضرت نے امیمہ سے شادی کی اور وہی حضرت کے پاس لائی گئی۔ (۴) پہلی روایۃ میں ہے کہ صرف جون کی بیٹی آپ کے پاس لائی گئی۔ دوسری روایۃ میں ہے کہ جونیہ کے ساتھ اسکی دایہ بھی لائی گئی۔ تیسری روایت میں ہے کہ امیمہ بیاہ کر اکیلے لائی گئی (۵) پہلی روایۃ میں ہے کہ جون کی بیٹی آپ کے پاس لائی گئی اور حضرت اسکے پاس پہونچے تو اس نے خدا کی پناہ ڈھونڈھی۔ دوسری روایۃ میں ہے کہ جب جونیہ کے پاس حضرت پہونچے تب اس نے خدا کی پناہ نہیں مانگی بلکہ کچھ دیر تک جواب و سوال ہوتا رہا۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ اپنا نفس مجھے دیدے اس نے کہا کیا کوئی ملکہ بھی کسی بازاری کو اپنا نفس دیدیتی ہے۔ اسکے بعد ہاتھ بڑھانے کا سامان شروع ہوا اس پر وہ چیخ پڑی کہ میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ تیسری روایۃ میں ہے کہ حضرت نے امیمہ سے کوئی بات نہیں کی بلکہ اسکے آتے ہی ادھر ہاتھ بڑھایا۔ اس پر وہ نہ چیخی نہ خدا کی پناہ مانگی صرف حضرت کے ہاتھ بڑھانے کو برا سمجھی (۶) پہلی روایۃ میں ہے کہ جون کی بیٹی کے پناہ مانگنے پر حضرت نے اس سے فرمایا کہ تو اپنے میکے واپس جا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے جونیہ سے واپس جانے کو نہیں کہا صرف یہ کہا کہ تو نے پناہ والے کی پناہ ڈھونڈی

تیسری روایۃ میں ہے کہ امیمہ کے پناہ مانگنے کے بعد حضرت اس سے کچھ بولے ہی نہیں نہ یہ کہا کہ تو نے مجھ سے کی پناہ ڈھونڈی۔ نہ یہ فرمایا کہ تو نے پناہ والے کی پناہ ڈھونڈی۔ نہ یہ فرمایا کہ تو اپنے میکے واپس جا (۷) پہلی روایۃ میں ہے کہ حضرت نے جون کی بیٹی ہی سے کہا کہ اپنے میکے واپس جا اپنے کسی صحابی کو اسکے رخصت کرنے کو نہیں کہا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے ابو اسید سے فرمایا کہ جونیہ کے ساتھ جاؤ اور اسکے گھر پہونچا آؤ۔ اور تیسری روایت میں ہے کہ حضرت نے ابو اسید سے یہ نہیں فرمایا کہ امیمہ کے ساتھ جاؤ اور اسکے گھر پہونچا آؤ بلکہ صرف یہ کہا کہ اس کو رخصت کردو۔ غرض اسی طرح بہت سی باتوں کا فرق ہے * تیسری روایۃ امیمہ والی میں داخل کرکے تداخل بیجا کا ارتکاب کررہے ہیں۔ اب ان روایتوں کی جو شرح علماء اہلحدیث نے لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ پہلی روایۃ جون کی بیٹی کے بارے میں ہے اس عورت کا نام کیا تھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ ان عمرۃ بنت الجون تعوذت من رسول اللہ حین ادخلت علیہ یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ جون کی بیٹی جس کا نام عمرہ تھا جب حضرت رسولخدا صلعم کے پاس لائی گئی تو اس نے خدا کی پناہ ڈھونڈی (فتح الباری پارہ ۲۲ مطبوعہ دہلی ص۱۶۰) اب دوسری عورت جونیہ کا اصلی نام کیا تھا مولوی ثناء اللہ صاحب نے امیمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "جونیہ کا اصلی نام ہے" مگر فن حدیث کے سب سے بڑے امام علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے جزم ھشام بن الکلبی بانھا اسماء بنت النعمان یعنی ہشام بن کلبی نے پورے یقین سے کہا ہے کہ جونیہ کا اصلی نام اسماء تھا اور اسکے باپ کا نام نعمان تھا وکذا اجزم بتسمیتھا اسماء محمد بن اسحاق ومحمد بن حبیب وغیرھما یعنی اسی طرح علامہ محمد بن اسحاق اور محمد بن حبیب وغیرہ نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ جونیہ کا نام اسما ہی تھا (فتح الباری پارہ ۲۲ ص۱۶۱)۔ اور تیسری عورت کا تو اصلی نام امیمہ اور اسکے باپ کا نام شراحیل صحیح بخاری ہی میں لکھا ہے۔ غرض فتح الباری اور صحیح بخاری سے معلوم ہوا کہ تینوں عورتیں علحدہ علحدہ تھیں۔ پہلی کا نام عمرہ دوسری کا اسماء تیسری کا امیمہ تھا۔ پہلی عورت کے باپ کا نام جون۔ دوسری عورت کے باپ کا نام نعمان اور تیسری عورت کے باپ کا نام شراحیل تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کس دلیری سے لکھتے ہیں "اس روایت کے شروع میں صاف لفظوں میں ذکر ہے کہ آنحضرتؐ اس عورت سے نکاح کرچکے تھے۔" اس قصہ کی ساری روایات سامنے رکھکر غور کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نیت سے جونیہ

* مولوی ثناء اللہ صاحب دوسری [illegible]

کے پاس گئے تھے جس نیت سے خاوند بیوی کے پاس جاتا ہے"۔ مولوی صاحب کی اس بہادری پر جی چاہتا ہے کہ انکو مبارکباد دیجائے کہ مرزا قادیانی صاحب کے کل کرتب آپنے سیکھ لئے۔ اب علامہ ابن حجر عسقلانی کی عبارت ملاحظہ ہو واعترض بعضھم بانہ لم یتزوجھا اذ لم یجر ذکر صورۃ العقد وامتنعت ان تھب لہ نفسھا فکیف یطلقھا والجواب انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لہ ان یزوج من نفسہ بغیر اذن المرأۃ ولغیر اذن ولیھا فکان مجرد ارسالہ الیھا واحضارھا ورغبتہ فیھا کافیا فی ذلک یعنی بعض محدثین نے اعتراض کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جونیہ سے نکاح تو کیا نہیں کیونکہ عقد واقع ہونے کا کہیں ذکر بھی نہیں ہے بلکہ اس نے حضرتؐ کو اپنا نفس ہبہ کرنے سے انکار کیا پھر طلاق کیسے ہوگیا (جکی وجہ سے امام بخاری نے اس واقعہ کو باب الطلاق میں ذکر کیا ہے) تو اس کا جواب ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ بغیر کسی لڑکی یا اسکے باپکی منظوری کے جس سے چاہیں اپنی شادی کرلیا کریں پس حضرت نے جونیہ کی جو خواہش کی اور اسکے اُٹھالانے کے لئے کسی کو اسکے یہاں بھیجدیا یہی حضرت کے لئے کافی تھا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ دہلی پارہ ۲۲ صفحہ ۱۶۲) اس سے صاف معلوم ہوا کہ جونیہ کے ساتھ حضرت کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ نہ حضرت نے اوس سے نکاح کیا تھا۔ نہ اسکو نہ اسکے باپ کو حضرت نے پیغام دیا نہ اسکی یا اسکے باپ کی منظوری حاصل کی۔ بلکہ آپ کو اسکی خواہش ہوئی تو اسکے گھر سے اٹھوا منگوایا پھر مدینہ سے باہر ایک آڑ کی جگہ اُتاری گئی وہاں تنہائی میں بھی حضرت نے اس سے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے شادی کرلے یا نکاح کرلے بلکہ اسکے آتے ہی حضرت اس سے اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ معاذاللہ! معاذاللہ!! معاذاللہ!!! خداوند معاف فرمانا۔ نقل کفر کفر نباشد کے مطابق ہم نے ان مضامین کا ترجمہ کیا۔ حاشا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ایسی بے ایمانی کی ہو۔ یہ امام بخاری اور حضرات اہلسنت کا حضرت رسولخدا صلعم پر شدید ترین ظلم ہے

غرض جونیہ کو اٹھوا منگانے کا واقعہ دوسرا ہے اور امیمہ کا واقعہ دوسرا ہے۔ جونیہ کے بارے میں تو صاف ہے لم یتزوجھا یعنی حضرتؐ نے اس سے شادی نہیں کی تھی اور اس امیمہ کے بارے میں ہے کہ تزوج النبیؐ امیمۃ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے امیمہ سے شادی کی تھی

بلکہ اس امیمہ کے ساتھ وہ رسمیں بھی ادا کی گئیں جو بیاہی بیویوں کے ساتھ جاری تھیں
چنانچہ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کانت من اجمل النساء یعنی یہ امیمہ خوبصورت ترین عورتوں میں
تھی۔ ان عائشۃ وحفصۃ دخلتا علیہا اول ما قدمت فمشطتاھا و
خضبتاھا وقالت لھا احدیھما ان النبی صلعم یعجبہ من المرأۃ اذا دخل
علیھا ان تقول اعوذ باللہ منک یعنی جب امیمہ حضرت رسول خدا صلعم کے ہاں لائی گئی
تو حضرت عائشہ و حفصہ اسکے پاس گئیں۔ دونوں نے ملکر بڑی محبت سے اس کا سر گوندھا
اسکی مانگ چوٹی کی۔ اسکے مہندی لگائی۔ اور جب دونوں رسمیں ختم ہو گئیں تو نہایت
پیار سے اسے کہا کہ جب حضرت کسی عورت کے پاس آتے ہیں اور وہ حضرت سے یہ جملہ
کہہ دیتی ہے کہ اعوذ باللہ منک (میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) تو حضرت اس عورت
پر بس فریفتہ ہی تو ہو جاتے ہیں (فتح الباری پارہ ۲۲ صفحہ ۱۶۲) اس بیچاری کو کیا خبر تھی
کہ اسمیں کیا راز ہے۔ ان دونوں کی پیار محبت کا تجربہ کر چکی تھی کہ کس طرز سے دونوں
نے اسکی مانگ چوٹی درست کی۔ سر گوندھ دیا۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا کر نئی نویلی دلہن
بنا دی۔ وہ سمجھی کہ واقعاً یہ سچ کہتی ہیں جب اس طرح اپنا کام کر کے دونوں نے اس کو
حضرت کے پاس بھیجا تو اس نے انکے سکھانے کے مطابق کہہ دیا کہ اعوذ باللہ منک یہ سننا
تھا کہ حضرت نے اسکو رخصت کر دیا اور دونوں بیویوں کی مراد پوری ہو گئی۔ غرض اس
امیمہ کے ساتھ پورا برتاؤ وہ کیا گیا جو بیاہی بیوی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ برخلاف
جونیہ کے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق اسکے ساتھ وہ حرکت کی گئی جو اس عورت
کے ساتھ کیجاتی ہے جو عیاشی کے لئے کسی جگہ سے زبردستی بلکہ اٹھوا منگا لیجاتی ہے
ہمیں مولوی ثناء اللہ صاحب پر بہت افسوس کرتا ہے کہ بیچارے میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا
تاویلی رنگ پیدا ہوتا جا رہا ہے اور اپنے مطلب کے لئے جس طرف وہ چلنا چاہتے ہیں ادھر کی
گہری خندق سے بھی آنکھ بند کر لیتے ہیں۔ کہنے کو تو کہہ گئے کہ جونیہ اور امیمہ ایک ہی عورت تھی
مگر فتح الباری اور دوسری شروح صحیح بخاری کو دیکھ نہیں لیا۔ جو صاف صاف دونوں کو الگ
الگ بتاتی ہیں۔ راقم ع۔ح مولوی فاضل وصدر الافاضل

جان نثار کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اور ان کے بھائی ابراہیم کو بھی پکڑنا چاہا مگر وہ لوگ اس کے ہاتھ نہ آئے۔ تب منصور نے ان کے باپ عبداللہ کو (جو امام حسن علیہ السلام کے پوتے تھے) دوسرے ابنی فاطمہ کے ساتھ قید کرکے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ مدینہ سے کوفہ میں بلاکر قید خانہ میں ڈالدیا۔ پھر جناب نفس زکیہ اور ابراہیم کی تلاش میں جابجا جاسوس مقرر کردیئے۔ وہ بیچارے کہاں تک بادشاہ سے چھپ سکتے تھے۔ آخر ظاہر ہوگئے تو منصور نے جناب نفس زکیہ کو ۱۴۵ھ میں شہید کرادیا پھر تھوڑے دنوں کے بعد انکے بھائی ابراہیم کو بھی شہید کرایا۔ اسکے بعد امام حسن کی اولاد سے بہتوں کو قتل کیا بہت لوگوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ اور بہت سے قید کردیئے گئے۔ مسلمانوں کے ایک بڑے عالم نے لکھا ہے "اور بے رحمیاں تو تھیں ہی منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی ..... صرف بدگمانی پر منصور نے سادات اور علویین کی بیخ کنی شروع کی۔ جو لوگ اون میں ممتاز تھے اون کے ساتھ زیادہ بے رحمیاں کیں۔ محمد بن ابراہیم کو حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہتے تھے زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیئے"[۱] منصور نے امام حسن علیہ السلام کے خاندان کے بہت لوگوں کو زمین کے اندر سرداب میں قید کر رکھا تھا وہ سرداب اتنا گہرا تھا کہ بیچاروں کو نماز کا وقت بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ نماز کا وقت پہچاننے کے لئے قرآن مجید کی تلاوت چھ چھ پارے

[۱] سیرۃ النعمان از مولوی شبلی صاحب صہ ۵۹

کرتے تھے کہ ہر چھ پارہ ختم کرکے نماز پڑھ لیتے[1] بہت سے قیدیوں پر قیدخانہ کا مکان گرادیا جاتا تھا جس سے وہ بیچارے دب کر مرجاتے تھے مگر سبحان اللہ جس وقت وہ مکان گرتا یہ لوگ وضو کرتے ہوتے اور اسی طرح وضو کرتے ہوئے شہید ہوتے تھے۔ انکی لاشیں نکالی بھی نہیں جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ سب سڑ سڑ جاتیں اور انکی بدبو سے باقی لوگوں کا دماغ خراب ہونے لگتا۔ ان میں سمیت پیدا ہوجاتی۔ ان کے پاؤں پر ورم آجاتا جو بڑھتے بڑھتے ان کے دلوں تک پہونچتا جس سے وہ بیچارے مرجاتے تھے۔ ایک بزرگ اسمٰعیل بن حسن کا حال لکھا ہے کہ وہ مرگئے تو ان کی لاش سڑنے لگی۔ ان کے بھائی داؤد بن حسن بھی اُسی جگہ قید تھے۔ انھوں نے اپنے بھائی کی لاش کی یہ حالت دیکھی تو اس زور سے چیخ ماری کہ اُن کا دم نکل گیا۔ اور امام حسن علیہ السلام کے پوتے عبداللہ بادشاہ منصور کے ہاں قید تھے۔ جب ان کے بیٹے ابراہیم کا سر کاٹ کر منصور کے پاس لایا گیا تو اس وقت بھی عبداللہ نماز ہی پڑھتے رہے۔ ایک شخص نے کہا اے عبداللہ جلدی اپنی نماز ختم کرو۔ جناب عبداللہ نماز پڑھ چکے تو بیٹے کا سر اوٹھا کر گود میں رکھ لیا اور کہا بیٹا مبارک ہو مبارک ہو (کہ تم شہادت کے درجہ پر پہونچے) بی بیو! اب اُس قیدخانہ کی حالت کیا بیان کیجائے جس میں جناب زینبؑ و ام کلثوم و سکینہ قید تھیں۔ آہ آہ یہاں یہ حضرات اس مصیبت میں گرفتار تھیں اور مدینہ میں جناب ام سلمہ جناب ام البنین اور دوسری بی بیاں تڑپتی تھیں کیونکہ امام حسینؑ

[1] تاریخ مروج الذہب جلد ۸ صفحہ ۸۵

کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے ایک قاصد سے مدینہ میں یہ خبر بھیجی۔ آہ آہ جس وقت حضرتؑ کی شہادت کی خبر لے کر قاصد مدینہ میں پہونچا اس وقت خاندان رسولؐ کے باقی مردوں اور عورتوں کی جو حالت ہوئی بیان نہیں ہو سکتی۔ جب قاصد مدینہ میں پہونچا تو کیا ہوا شاعر نے لکھا ہے ؎

کلس رواق نبیؐ کا نمود ہونے لگا
اُتر کے ناقے سے ناقہ سوار رونے لگا

گیا مدینہ کی مسجد میں قاصد ناچار
وطن میں آگیا قاصد کا غل ہوا اک بار

گھروں سے جانب مسجد چلے صغار و کبار
زباں سے کہتا تھا ہی حسین تو اسد زار

نبیؐ کے روضہ کا گنبد تمام ہلتا تھا
ستون مسجد خیر الانام ہلتا تھا

حضرت عباس کی ماں جناب ام البنین بھی بے چین ہو کر برقع اوڑھ کر مسجد میں پہونچیں۔ شاعر نے انکی حالت اس طرح لکھی ہے ؎

یہ کہہ کے اوڑھ لی چادر اُٹھایا اپنا عصا۔ رواں ہوئیں طرف مسجد رسول خدا

زنان ہاشمیہ ساتھ تھیں پیادہ پا۔
قریب پہونچیں جو مسجد کے دیکھتی ہیں کیا

وہ کون شخص ہے جس کا حال غیر نہیں۔
پکاری خیر ہو پردیسیوں کی خیر نہیں

ابھی وہ خط لئے منبر پہ نامہ بر تھا گیا
پڑھا تھا ایک ہی فقرہ کہ حشر تھا برپا

کہا گہاں در مسجد غلغلہ یہ ہوا
عزیز و راہ دو آتی ہے ثانی زہراؑ

زنان ہاشمیہ نے جو اہتمام کیا
تو نامہ بر نے بھی تعظیم سے سلام کیا

عصا پہ ٹیکے کو رکھکر کھڑی ہوئی وہ آہ
کہا کہ بھائی یہ خط پیچھے پڑھیو خاطر خواہ

زباں سے پہلے یہ کہہ دے کہ خیر سے تو ہیں شاہ
وہ رو کے کہنے لگا لا الہ الا اللہ

بہت حسینؑ کی عاشق ہو اور شیدا ہو
مگر جہاں میں اب تم بجائے زہراؑ ہو

پکاری وہ کہ بھلا میں کہاں بتولؑ کہاں
میں خادمہ ہوں وہ مخدومۂ زمین و زماں

وہ بولا اسم شریف آپکا وہ بولی ہاں
علیؑ کی زوجہ ہوں عباس نامدار کی ماں

ابھی نہ ماں ہوں بڑا اسکی نہ وہ پسر میرا
جو کچھ حسینؑ کے کام آیا تو جگر میرا

ہے بات کرنا بھی نامحرموں سے مجھکو عار
علیؑ کی لونڈیوں کا یہ چلن نہیں زنہار

مگر حسینؑ کی الفت نے کردیا ناچار
نکل پڑی میں ردا اوڑھکر سر بازار

جس حسینؑ کی کہ آرزو میں ہو بیچین
کنیز ہوں تو میں اسکی جو ماں ہوں تو اسکی

میں ہول کھاتی ہوں کھائی تو پیر کر جا کے
بشکل ماہتیاں سر پہ اپنے ڈالے خاک

وہ بولا کم ہے جو کچھ غم کروں میں اے غمناک
ہوئی حسینؑ پہ بیداد لشکر سفاک

جگر ہو سنگ کا فولاد کی زباں ہوئے
تو ایک پیاس کا اس پیاسے کی بیاں ہوئے

آہ آہ بی بیو! اسکے بعد شاعر نے لکھا ہے ؎

جگر پہ مارکے ہاتھ اپنا نامہ بر نے کہا
جو حال سننا ہے بی بی حسینؑ بیکس کا

تو اب کھڑی نہ رہو بیٹھ جاؤ رکھ دو عصا
زنان ہاشمیہ کو بٹھا لو گرد ذرا

کلیجا تھام لو تم اپنا دونوں ہاتھوں سے
کہ اب غش آئیگا یاں سب کو میری باتوں سے

علی کی زوجہ کو حلقے میں بیبیوں نے لیا
اور انکو گودمیں سب لیکے بیٹھیں واویلا

ہر ایک کہتی تھی یارب کہیگا قاصد کیا
عمامہ قاصد مغموم نے بھی پھینک دیا

طمانچے منہ پہ لگانے لگا برائے حسینؑ
زمین پہ گر پڑا منبر سے کہکے ہائے حسینؑ

اُڑا کے خاک کہا اے ضعیفہ ہو آگاہ
ہزار و نصد و پنجاہ زخم اک تن شاہ

اور ایک حلق پہ نفتاد ضرب خنجر آہ
چڑھا حسینؑ کے سینہ پہ قاتل بدخواہ

سر حسینؑ تو اس بدگمان نے کاٹا
غضب ہے ہاتھوں کو پھر ساربان نے کاٹا

یہ سُن کے غش ہوئی ام البنین عالیجاہ
اُٹھا یہ شور کہ فریاد یا رسول اللہ

ہوا جو غش سے افاقہ علیؑ کی زوجہ کو آہ
تو پوچھا حال زینب کے بھی تو ہے آگاہ

وہ ساتھ مرگئی بھائی کے یا اسیر ہوئی
دیا حسینؑ کے مرقد پہ وہ فقیر ہوئی

پلٹ کے پھر نامہ بر یہ چلایا
حسینؑ نے تو کفن بھی ابھی نہیں پایا

رسول زادیوں پر سخت حادثہ آیا — برہنہ سر رہیں اٹھا جب سے شاہ کا سایا
گلے میں طوق ہے عابد کے شدت تپ میں — ہیں زخم نیزوں کی نوکوں کے پشت زینب میں

تیرہویں ۱۳ مجلس

صفر کی بارہویں رات کی جس میں اذان دینے کے فضائل بیان کئے گئے۔ مسجدوں میں اذان دلوانے کی تاکید لکھی گئی۔ اذان کے بارے میں ایک انگریز مورخ کی رائے درج کی گئی اور پھر یزید کے سامنے امام زین العابدین علیہ السلام کا خطبہ پڑھنا اور یزید کا اذان دلوا کر حضرت کو چپ کرنا ذکر کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا فرماتا ہے:۔ وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ[1] یعنی اے مسلمانو جب تم اذان دیکر لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہو تو کافر نماز کو ہنسی کھیل بنا دیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ اس آیہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مدینہ کا ایک کافر جب اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنتا تھا تو بے ساختہ بول اٹھتا تھا کہ خدا جھوٹے کو جلا کر خاک کرے۔ ایک دن اس کا نوکر کسی کام کے لئے آگ لایا اور وہ کافر اپنے لڑکوں بالوں کے ساتھ پڑا سوتا تھا اتفاق سے ایک چنگاری اڑ کر چھت پر پہونچی اور پورا مکان جلکر خاک سیاہ ہو گیا۔ اور وہ کافر بھی اپنے لڑکے بالوں کے ساتھ جلگیا۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔[2] نماز میں اذان دینے کی بڑی تاکید ہے

[1] پارہ ۶ رکوع ۱۳

[2] تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۴

مسجد میں بھی صبح ظہر اور مغرب کے وقت اذان دینے کا بڑا حکم ہے
اور اس کا بہت ثواب لکھا ہے۔ ہم لوگوں کو چاہئے کہ جو نماز پڑھیں اُسمیں
اذان ضرور کہا کریں خواہ وہ نماز اُس وقت کی ادا ہو خواہ قضا، مکان
پر ہو یا سفر میں۔ بلکہ بعض عالم مجتہد تو اذان کو بھی واجب کہتے ہیں۔
اور نماز کے ساتھ جو اذان کہی جاتی ہے اسکے علاوہ مسجد میں بھی زور
سے اول وقت اذان دینا ضروری ہے تاکہ اسکے آس پاس کے لوگوں
کو نماز کا وقت معلوم ہو جائے۔ خاصکر صبح اور مغرب کے وقت اذان دینے
کی بڑی تاکید ہے اور اسکی فضیلت میں بہت سی حدیثیں ہیں جیسے (۱)
حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی شہر میں
ایک سال اذان دیگا اس پر بہشت واجب ہو جائیگی (۲) حضرت امام
جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہشت میں تین قسم کے لوگ بہت
اعلےٰ درجہ کے مشک کی خوشبو کے ساتھ رہیں گے۔ ایک موذن جو
خدا کی خوشی کے لئے مسجد میں اذان دیتا ہے۔ دوسرے وہ امام جماعت
جو لوگوں کو جماعۃ کی نماز پڑھاتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش رہتے
ہیں۔ تیسرے وہ غلام جو خدا اور اپنے مالکوں کی اطاعۃ کرے (۳)
حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ موذن کے لئے شہید کا ثواب ہوگا
لوگوں نے پوچھا یا حضرت کیا اذان کہنے پر بھی لوگ تلوار کھینچا کرینگے
ان کا مطلب یہ تھا کہ شہید کا ثواب تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ تلوار
چلتی ہے تو جو شخص اس میں اپنی جان کی پروا نہیں کرتا اور خدا کی خوشی
کے لئے تلوار کھالیتا ہے اس کو اتنا بڑا ثواب ملتا ہے۔ پھر آپ جو
موذن کا ثواب فرماتے ہیں کہ شہید کے ایسا ہوگا تو کیا اذان دینے

پر بھی تلوار چلیگی جس سے موذن کو شہید کا ثواب دیا جائیگا۔ حضرتؐ
نے فرمایا یہ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ایک زمانہ آئیگا کہ لوگ اذان دینے
کا کام چھوٹے اور معمولی درجہ کے لوگوں پر چھوڑ دینگے (بڑے اور عزت
والے لوگ اذان دینا اپنی شان کے خلاف سمجھیں گے اور خیال کرینگے
کہ جو غریب۔ محتاج۔ کمزور لوگ ہیں انھیں کو اذان دینی چاہیئے)۔
حالانکہ اذان دینے والوں کی عزت خدا کے ہاں اتنی ہے کہ ان لوگوں کے
بدن کو جہنم کی آگ جلانے نہیں پائیگی۔ (۴) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کی خوشی حاصل کرنے کی غرض سے دس برس
تک اذان دیگا خدا اسکے بہت سے گناہوں کو بخش دیگا اور جو شخص
اسکی اذان سن کر مسجد میں آئیگا اور نماز پڑھیگا اسکی وجہ سے بھی
اس اذان دینے والے کو بہت ثواب ملیگا بلکہ موذن کی اذان سن کر جو
شخص بھی کسی جگہ (اپنے گھر میں یا مسجد میں) نماز پڑھیگا اسکی وجہ سے
موذن کے لئے بھی ایک نیکی لکھی جائیگی۔ اللھم صل علی محمدؐ و آل محمدؐ۔
اسکے بارے میں مسلمانوں نے اختلاف کیا ہے کہ اذان کب سے مقرر
ہوئی۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم ہجرت
کرکے مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو وہیں سلہ ہجری میں اذان قائم
کی گئی۔ اس سے پہلے لوگ خود ہی نماز کے وقت جمع ہوجاتے تھے۔ یا
حضرت رسولخدا صلعم کے موذن بلال اَلصَّلوٰۃُ اَلجَامِعَہ کہ کر پکار
دیتے تھے [۱] مسلمانوں کے بعض عالموں نے لکھا ہے کہ ایک صحابی
عبداللہ بن زید نے خواب میں دیکھا تھا کہ نماز کے لئے اذان اس طرح
دینی چاہیئے جس سے مسلمانوں کو نماز کے وقت کی اطلاع ہوجایا کرے

[۱] تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۰۵

اور پھر ان صحابی کے خواب ہی کے موافق وحی بھی نازل ہوئی اور اسی طرح اذان دیجانے لگی۔ مگر اُن کے ایک بڑے عالم نے بھی لکھا ہے کہ کوئی مذہبی حکم ایسے شخص کے خواب سے جو پیغمبر نہیں ہے مقرر نہیں ہو سکتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم معراج میں تشریف لے گئے تھے تو آسمان پر ایک فرشتہ کو اس طرح اذان دیتے ہوئے سُنا تھا اور اس سبب سے عبداللہ بن زید کا خواب سچا ہوا اور اسکے موافق آنحضرتؐ نے اذان جاری فرمائی۔ اُن کے ایک اور عالم نے لکھا ہے کہ پیغمبر کے خواب کے سوا اور کسی کے خواب سے مذہبی حکم ثابت نہیں ہو سکتا مگر بات یہ ہوئی کہ عبداللہ کے خواب کے ساتھ حضرت رسولخدا صلعم پر وحی بھی نازل ہوئی تھی۔ مگر ہمارے مذہب کی کتابوں میں ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کو معراج ہوئی اور اس رات کو حضرت بیت المعمور میں پہونچے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ جناب جبرئیلؑ نے اذان واقامت کہی پھر حضرت رسولخداؐ آگے بڑھے نماز پڑھائی اور فرشتوں اور نبیوں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب جناب جبرئیلؑ اذان کا حکم لیکر حضرت رسولخدا صلعم پر نازل ہوئے اُس وقت آنحضرتؐ کا سر مبارک جناب امیر علیہ السلام کی گود میں تھا۔ جناب جبرئیل نے اذان و اقامت کہی۔ جب آنحضرتؐ جاگے تو پوچھا اے علیؑ تم نے بھی سُنا۔ حضرت علیؑ نے عرض کی ہاں یا حضرتؐ۔ پوچھا یاد بھی کرلیا ہے۔ جناب امیرؑ نے کہا ہاں تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بلال کو بلا کر سکھا دو۔ پس جناب امیرؑ نے بلال کو سکھا دیا۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے خدا اپنی

رحمت سے دور رکھے اس قوم کو جو کہتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اذان کو عبداللہ بن زید سے سیکھا ہے۔ وحی تو تمہارے رسولؐ پر نازل ہو اور تم یہ گمان کرو کہ حضرتؐ نے اذان کا حکم عبداللہ بن زید سے لیا (کس قدر تعجب کی بات ہے) [1] ایک کتاب میں اذان کے متعلق لکھا ہے کہ "مسجد مقدس نبوی کے تعمیر ہونے تک اذان واقامہ فرض نہیں ہوئی تھی اور نہ نماز کے لئے کوئی معین جگہ مقرر تھی مگر اب مسجد ہی میں نماز ہونے لگی اور چونکہ اوقات معینہ پر بغیر کسی خاص اشارہ کے لوگوں کا جمع ہونا متعذر ہوتا ہے اسلئے نماز کے وقت یہودی تُرہی اور عیسائی ناقوس اور گھنٹہ بجاتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے اس بیہودہ شور وغل کو نماز جیسے مقدس کام کے لئے مناسب خیال نہ فرمایا اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا مدنظر ہوا جو اطلاع کی اطلاع اور عبادت کی عبادت ہو۔ پس آپ کے نفس قدسی پر خدا کی طرف سے اذان کے الفاظ کا القا ہوا۔ اور بلال بن رباح کو حکم ہوا کہ پانچوں وقت کسی اونچی جگہ کھڑا ہو کر وہ کلمات طیبات بہ آواز بلند کہہ دیا کرے۔ نماز کی اطلاع کا یہ طریقہ ایسا مناسب ومعقول ہے کہ جیمیز جو ایک نامور عیسائی فاضل ہے اپنی انسائکلوپیڈیا کی جلد ششم میں جہاں مذہب اسلام کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ مؤذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین ودلکش ہوتی ہے اگرچہ شہروں کی دن کی ڈنڈ بکار میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سناٹے میں اُس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے اہل یورپ بھی جنہوں کو اس امر پر مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُس نے انسان کی آواز

[1] وسائل الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۲

کو موسائیوں کی ترہی اور عیسائیوں کے گرجا کے گھنٹے پر ترجیح دی۔
فی الواقع جب کہ ہوا میں اُڑنے والے پرندے تمام روز کی محنت و مشقت
سے تھک کر اپنے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لے رہے ہوں اور زمین
پر چلنے والے چوپائے دن بھر کی دوڑ دھوپ سے عاجز آکر اپنی اپنی
جگہ آرام کر رہے ہوں اور دنیا پر ایک سکوت و سکون کی حالت چھائی
ہوئی ہو انسان کا آرام و راحت سے دست بردار ہو کر اپنے خالق
و پروردگار کے ادائے شکر و عبادت کے لئے آمادہ ہونا اور اپنے بنی نوع
کو خواب غفلت سے باواز بلند یہ کہہ کر بیدار کرنا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (الی آخرہ) خدا تعالےٰ کی عبادت و پرستش کا
ایک ایسا موثر و دلکش طریقہ ہے کہ بجز اُس قدسی شخص کے کہ جس کی
ذات والاصفات پر خدا کی عبادت کو نہایت اکمل و احسن طریقہ پر
قائم کرنے کا خاتمہ ہو گیا۔ کوئی انسان قائم نہیں کر سکتا تھا۔
اللّٰھم صل علیٰ محمدؐ و آل محمدؐ۔
ہم لوگوں کو اپنے لڑکوں اور لڑکیوں اور بھائیوں سے مسجد میں اذان
کہلانے کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے اور صبح۔ دوپہر شام کسی وقت بھی
مسجد کو اذان سے خالی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اگر برابر یہ خدمت نہ ہو سکے
اور اس مسجد کا کوئی وقف بھی نہ ہو جس سے اس مسجد کی اذان کا انتظام
ہو سکے تو خود اپنے پاس سے موذن کو نوکر رکھ کر یا محلہ کے لوگوں سے
چندہ کر کے مؤذن مقرر کرنا اور اسمیں اذان کہلانا چاہیئے۔ کیسے افسوس
کی بات ہے کہ ہم میں جو لوگ مال دار یا امیر یا رئیس یا معزز یا خوشحال
ہوتے ہیں وہ مسجد میں زور سے اذان دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتے

اور اسکو ذلیل لوگوں کا کام خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا جو کچھ ثواب
ہے اس کو میں پہلے بیان کر چکی ہوں۔ جناب امیر علیہ السلام سے
زیادہ معزز دنیا میں کون ہو سکتا ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے
سردار اور پیشوا تھے مگر آپ جانتی ہیں کہ حضرت خود مسجد کے منارے پر
چڑھکر زور سے اذان دیتے تھے۔ جس رات کو ابن ملجم نے حضرتؑ کو شہید
کرنا چاہا اسکی صبح کو بھی حضرتؑ ہی نے کوفہ کی مسجد میں اذان کہی۔
پھر ابن ملجم کو جگایا کہ اُٹھ نماز پڑھ۔ جسکے بعد حضرت نماز پڑھنے لگے تو
اُس شقی نے حضرتؑ پر تلوار کا وار کر دیا اور دو روز کے بعد حضرت شہید
ہو گئے۔

آہ آہ بی بیو! اب ایک اور اذان مجھے یاد آئی جب حضرت زینبؑ
وام کلثومؑ وامام زین العابدینؑ قید ہو کر یزید کے ہاں پہونچے تو ایک
روز یزید جامع مسجد میں گیا اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
کو بھی وہیں بلایا پھر خطبہ پڑھنے والے کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر اسکے
باپ دادا کی تعریف کرے۔ اور اُسکے مخالفین کی برائی بیان کرے
خطبہ پڑھنے والا منبر پر جا کر یزید اور اسکے باپ دادا کی بہت تعریف
کرنے اور جناب امیر علیہ السلام اور حضرتؑ کے خاندان کو گالیاں دینے
لگا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے خطیب افسوس ہے
کہ تو نے خدا کی خوشنودی بیچکر مخلوق کی خوشی حاصل کی۔ اب اپنے
کو جہنم سے بچانے کا بھی ٹھکانا سوچ رکھ۔ پھر حضرتؑ نے یزید سے فرمایا
کہ اے یزید اگر تو اجازت دے تو میں بھی منبر پر جا کر ایسے جملے بیان
کروں جن سے خدا خوش ہو اور حاضرین کو بھی اس سے نفع پہونچے۔

یزید نے اسکو منظور نہیں کیا۔ مگر اُس مسجد میں اور جو لوگ شام اور دوسرے ملکوں کے تھے انکو خواہش ہوئی کہ حضرت منبر پر جائیں اور وہ لوگ سنیں کہ حضرت کیا بیان فرماتے ہیں۔ انھوں نے یزید سے کہا کہ اے امیر کیا مضائقہ ہے اگر ان کو اجازت دیجائے کہ منبر پر جا کر اپنا ہنر یہ بھی دکھائیں۔ یزید نے جواب دیا کہ اگر یہ منبر پر جائیں گے تو میرے خاندان کو فضیحت کر ڈالیں گے۔ لوگوں نے کہا اے امیر بھلا ان کو ایسی جرات کہاں ہو سکتی ہے۔ یزید نے کہا یہ اہلبیت سے ہیں۔ وہ اہل بیت جن کے دل و دماغ میں علم و حکمت کی باتیں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہیں۔ غرض ان لوگوں نے نہایت درجہ اصرار کیا اور اتنی خوشامد کی کہ مجبور ہو کر یزید کو اجازت دینی پڑی۔ حضرت منبر پر تشریف لیگئے تو دور دور کے لوگ جو موجود تھے حضرت کے خطبہ کی طرف متوجہ ہوگئے حضرت نے پہلے خدا و رسولؐ کی تعریف بیان کی اسکے بعد بڑی فصیح تقریر کی جسکے بعض جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ اے لوگو! خدا نے ہمیں چھ نعمتیں عطا کی ہیں۔ اور سات خاص خوبیوں کی وجہ سے ہمیں دوسروں پر فضیلت دی ہے۔ وہ چھ نعمتیں علم۔ حلم۔ بخشش۔ فصاحت۔ شجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے۔ اور سات خاص خوبیاں یہ ہیں کہ حضرت رسولخداؐ ہم ہی سے تھے۔ حضرت امیرالمومنینؑ ہمارے ہی تھے۔ جناب جعفر طیار اور خدا و رسولؐ کے شیر جناب حمزہ۔ پھر اس امت کے دونوں سبط امام حسنؑ و امام حسینؑ ہمارے ہی بزرگ تھے[1] جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا اُس کو میں اپنا حسب و نسب بتائے دیتا ہوں۔ اے لوگو میں مکہ کی جان ہوں میں

---

[1] غالباً لکھنے والوں سے جناب سیدہؑ کا نام چھوٹ گیا ہے ۱۲ مصنف

منیٰ کا دل ہوں ۔ میں زمزم کا لال ہوں ۔ میں صفا کا چاند ہوں ۔
میں اُس کا پوتا ہوں جس نے حجرِ اسود کو اپنی چادر کے کناروں میں
اُٹھایا تھا ۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو دنیا بھر سے افضل تھا ۔ میں
اُس کا دلبند ہوں جو سب سے اشرف تھا ۔ میں اُس کا نورِ چشم ہوں جو براق
پر چڑھکر ہوا میں گھوما تھا ۔ میں اُس کا لختِ جگر ہوں جو معراج میں
مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گیا تھا ۔ میں اُسکا قائم مقام ہوں
جس کو حضرت جبرئیلؑ سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے تھے ۔ میں اُس کا
جانشین ہوں جس نے آسمان پر فرشتوں کو نماز پڑھائی تھی ۔ میں
اُسکی یادگار ہوں جس پر خدا برابر وحی نازل کرتا رہا ۔ یعنی میں پوتا ہوں
حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا ۔ میں پوتا ہوں حضرت علی مرتضیٰ کا اسکے
بعد حضرتؑ نے بتایا ہے کہ وہ علیؑ کون تھے اور اسلام پر انھوں نے
کیا کیا احسان کئے ۔ خدا نے ان کو کیا کیا فضیلتیں عطا کیں ۔ ان
سب کو دیر تک بیان کرنے کے بعد فرمایا یہی حضرت علی ابن ابیطالبؑ
میرے دادا تھے ۔ آہ آہ بی بیو اِسکے بعد شاید حضرتؑ نے خود ہی اپنا
مرثیہ پڑھنا شروع کیا ۔ ہائے فرماتے تھے ۔ میں پوتا ہوں حضرت فاطمہ زہراؑ
کا ۔ میں پوتا ہوں حضرت سیدہ نساءؑ کا ۔ میں پوتا ہوں حضرت خدیجہ
کبریٰ کا ۔ میں بیٹا ہوں اُس کا جو ظلم سے قتل کیا گیا ۔ میں بیٹا ہوں
اُس کا جس کا سرِ مبارک گردن کے پیچھے سے کاٹا گیا ۔ میں بیٹا ہوں
اُس پیاسے کا جس کو قتل ہوتے وقت تک ایک بوند بھی پانی کی
نہیں ملی ۔ میں بیٹا ہوں اُس کا جسکی لاش کربلا میں پڑی رہی ۔ میں
بیٹا ہوں اُس کا جسکی شہادت کے بعد اُس کا عمامہ اور ردا بھی لوٹ

لی گئی۔ میں بیٹا ہوں اُس کا جس پر آسمان کے فرشتے بھی رو دئے میں بیٹا ہوں اُس کا جس پر جنوں نے زمین پر اور پرندوں نے ہوا میں نوحہ کیا۔ میں بیٹا ہوں اُس کا جس کا سر نیزے پر بلند کر کے شہر شہر گھمایا گیا۔ میں بیٹا ہوں اس کا جسکے حرم کو قید کر کے کوفہ سے شام تک پھرایا گیا۔ حضرت اسی طرح اپنے مصائب بیان کرتے جاتے تھے جس کو سنکر یزید کے دربار والے ڈاڑھیں مار مار کر روتے اور تڑپ تڑپ کر چیختے جاتے تھے۔ جب مجلس کا یہ رنگ ہو گیا اور یزید نے دیکھا کہ اب تو سماں ہی بدل گیا۔ لوگ اپنے آپے میں نہیں رہے تو ڈرا کہ ایسا نہ ہو کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے اور یہ سب جان لینے اور دینے پر آمادہ ہو جائیں اُس نے گھبرا کر مؤذن کو حکم دے دیا کہ اذان دینے لگے اور اس تدبیر سے امام زین العابدین علیہ السلام کی بات کاٹ دے پھر کیا تھا حضرتؑ کی بات رُک گئی۔ مؤذن اذان دینے لگا جب اُس نے کہا اَللّٰہُ اَکْبَر تو حضرتؑ نے فرمایا کہ کوئی چیز خدا سے بڑی نہیں ہے۔ جب اُس نے کہا اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تو حضرتؑ نے فرمایا میرے بدن کا چمڑہ گوشت خون سب گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر آہ آہ جب موذن نے کہا اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہ تو امام زین العابدین علیہ السلام یزید کیطرف مڑے اور فرمایا ہاں اے یزید بتا تو یہ حضرت محمد مصطفےٰ تیرے دادا تھا یا میرے اگر تو نے حضرت کو اپنا دادا کہا تو جھوٹ بولا اور کافر ہو گیا۔ اور اگر میرا دادا کہا تو بتا کہ تو نے حضرتؐ کی آل کو کیوں قتل کیا۔ مگر بیچ یزید کے پاس اس کا جواب ہی کیا تھا۔

آہ آہ جس رسولؐ کی یہ عزت ہو کہ اس کا نام پانچ وقت اذان میں لیا جائے اوسکی آل کو قتل کیا جائے اور اُسکے اہلبیت قید کئے جائیں شاعر نے لکھا ہے ؎

کیوں اہلِ عزا جس کا یہ رتبہ ہو یہ توقیر — زنداں میں اُسے قید کرے فرقۂ بے پیر
افسوس ہے اس بی بی کی برگشتہ ہو تقدیر — بازار میں سر ننگے پھرے خواہرِ شبیرؑ
جو ہاتھ اُٹھیں اُمتِ عاصی کی دعا میں — اعدا اُنھیں باندھیں رسنِ ظلم و جفا میں

پھر تو شاعر نے اور بھی تڑپانے والے اشعار لکھے ہیں ؎

چشمِ رضواں بھی اسی اندوہ سے نم ہوتی تھی — آکے زنداں میں ہر اک حورِ جناں روتی تھی
دیکھ کر آلِ محمدؐ کو خرابے میں اسیر — حاملِ عرشِ الٰہی بھی تھے از حد دلگیر
قدسیوں کے لبِ اقدس پہ یہی تھی تقریر — خوب کی اُمتِ احمدؐ نے حرم کی توقیر
ظلم خاصانِ خدا پر یہ ہوا یاں ہے ہے — ہائے ناموسِ نبیؐ اور یہ زنداں ہے ہے
دیکھ کر قید میں عترت کو رسولِ مختار — روتے تھے خانۂ زنداں میں [illegible]
تھے حزیں حیدرِ صفدر بھی بچشمِ خونبار — نالہ کش تھے حسنؑ سبز قبا لیل و نہار
رات دن خانۂ زنداں میں نبیؐ روتے تھے — انکے پیچھے کھڑے اس شہ کے وصی روتے تھے
روتی زنداں میں تھیں جس دم کہ اسیرانِ رسن — ساتھ ہی روتی تھیں حوریں بھی بہ شور و شیون
آنسوؤں سے کرتی تھیں ہاجرہ بھی تر اپنا دامن — نالہ کش مریم و سارا تھیں بصد درد و محن
اور حوا و خدیجہ بھی یہاں غش ہوتی تھیں — حضرتِ فاطمہؑ یہ کر کے بیاں روتی تھیں
دیکھو اے بیبیو ہے قید یہ میرا کنبا — ہے یہ کلثوم مری بیٹی یہ زینبؑ دکھیا
سر رکھے زانو پہ روتی جو بصد یاس ہے یہ — اے خواتینِ جناں زوجۂ عباسؑ ہے یہ
طوق و زنجیر جو یہ پہنے ہوئے روتا ہے — یہی سجادؑ دل افگار مرا پوتا ہے

بی بیو شاعر نے لکھا ہے کہ جس وقت گریۂ اہلبیت کا شور و غل اٹھا

اٹھتا تھا بس کہ آہوں کا ہر دم دھواں سیاہ — دو دن میں ہو گیا تھا وہ سارا مکاں سیاہ
حجرے سیاہ سقف سیاہ سائباں سیاہ — تھا چشم اہلبیت میں سارا جہاں سیاہ
غل تھا اندھیری قبر میں لوگو نہاں ہیں ہم — کچھ سوجھتا نہیں ہے کدھر ہیں کہاں ہیں ہم
زنداں کہئے رنج و مصیبت کا تھا وہ گھر — کڑیاں شکستہ خم در و دیوار سربسر
کہتی تھی در پہ آکے ہوا بھی کہ الحذر — تھے جیتے جی لحد میں اسیران نوحہ گر
روتی تھیں پکارتی تھیں کہ اور ایک قفس میں ہم — نالے دلوں کے تھے کہ قفس در قفس میں ہم
کرتی تھی بین زوجۂ عباس نامدار — والی مرے کدھر تمہیں ڈھونڈے یہ سوگوار
قید بلا میں آپ کے بچے ہیں بیقرار — بابا کہاں گئے یہی کہتے ہیں بار بار
ہر دم شریک حال جفا و محن ہیں ہیں — بچوں کے ساتھ ان کے گلے بھی رسن میں ہیں
صاحب بہت تھی تم کو سکینہ کی اپنی چاہ — زنداں میں کچھ نہ اسکی مصیبت پہ کی نگاہ
زاری کبھی ہے اور کبھی شور و فغان و آہ — ماتم میں آپکے نہ جئے گی وہ رشک ماہ
کیونکر چھپائیں حال شۂ مشرقین کا — دیکھا ہے طشت میں سر پرخوں حسین کا
بانو جگر پکڑ کے یہ کہتی تھی دم بدم — لوگو دعا کرو کہ نکل جائے میرا دم
ہے ہے پسر کی بیکفنی کا ہے مجھکو غم — صحرا لق و دق وہ کڑی دھوپ ہے ستم
خالق نگاہ بان ہے تن پاش پاش کا — کیا حال ہوگا اکبر مہ رو کی لاش کا

شاعر نے لکھا ہے الغرض ہر ایک بی بی اسی طرح ایک ایک شہید کا نام لیکر بین فرما کر روتی تھی۔ مگر جناب بانو کے بین جو بہ یاد جناب علی اکبر علیہ السلام اہل حرم سنتے تھے دل بیتاب و جگر کباب ہوتا تھا۔ کبھی آرزوئے شادی کا بیان کرنا کبھی جناب رسول خدا کی مشابہت کبھی اذان یاد کرنا کبھی یہ کہنا ؎

بیٹا تمہاری قبر پہ جب پاس جاؤنگی — سہرے کے بدلے پھولوں کی چادر چڑھاؤنگی

چودہویں مجلس ۱۴ صفر

۱۲ صفر دن کی جس میں مسجد بنانے اور آباد رکھنے کے فضایل مردوں کے مسجد میں نماز پڑھنے اور اُسکے پاک رکھنے کی تاکید لکھی ہی۔ حضرت رسولخدا کا ہجرت کرکے مدینہ جانا۔ وہاں مسجد بنوانا شام میں حضرت امام زین العابدین کی ایک مسجد کا ہونا بیان کیا گیا اور آخر میں اہلبیت کی اس مصیبت کو لکھا کہ یزید نے امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی فاطمہ کو لونڈی بنانے کا حکم دیدیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا فرماتا ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ۔ یعنی خدا کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد کرے گا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھے گا اور نماز پڑھیگا اور زکوٰۃ دیگا اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا۔ تو امید ہے یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں۔ اس آیہ میں گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص خدا پر ایمان رکھے۔ قیامت آنے کا یقین کرے۔ نماز پڑھے۔ زکوٰۃ دے۔ اور خدا کے سوا کسی اور شخص سے نہ ڈرے اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی مسجدوں کو بھی آباد رکھا کرے اُس کو ویران نہ ہونے دے۔ اس کو گرنے سے نہ بچنے اسکو خالی نہ چھوڑے۔ اس سے غافل نہ رہے بلکہ اسکی حفاظت اور آبادی کی بھی کوشش کرتا رہے کہ برابر اس میں جائے۔ نماز پڑھے۔ تلاوت قرآن کرے۔ جماعۃ کی نماز ہوتی ہو تو اس میں شریک ہو۔ جھاڑو دینے کی ضرورت ہو تو اس کا ثواب بھی حاصل کرے۔ مسجد اندھیری ہو تو

اسمیں چراغ جلائے۔ مگر اس چراغ یا لمپ کا تیل نجس نہ ہو۔ کسی غیر مسلم کا ہاتھ اسمیں نہ لگا ہو ورنہ سخت عذاب ہوگا۔ اگر مسجد کا دروازہ نہ ہو اور کتے وغیرہ اسمیں آتے ہوں تو اسمیں کنواڑ یا ٹٹی لگا دے کہ پھر یہ جانور اسمیں جانے نہ پائیں اور اسکو نجس۔ گندی اور میلی نہ کریں۔ اسمیں اذان نہ ہوتی ہو تو صبح دوپہر اور مغرب کے وقت اذان ضرور کہے اگر مسجد پر کوئی کافر قبضہ کرنا چاہے تو اس کو بچائے اور اسمیں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو ضرور خرچ کرے۔ اپنے پاس مال نہ ہو تو مسلمانوں سے چندہ کرکے اسکی حفاظت کا سامان کرے۔ اللھم صل علی محمدؐ و آل محمدؐ۔ نئی مسجد بنانے کا ثواب بہت ہے۔ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کوئی مسجد بنائیگا خدا اُسکو مسجد کی ہر ہاتھ بھر زمین کے بدلے بہت کثرت سے ثواب دیگا۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص چھوٹی سی بھی مسجد بنائے گا خدا اسکے بدلے اس شخص کے لئے بہشت میں ایک عالی شان مکان بنوا دے گا۔ حضرتؑ کے ایک صحابی نے حضرتؑ سے اس حدیث کو سن لیا تھا۔ اسکے کچھ دنوں کے بعد وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کچھ پتھروں کو تلے اوپر رکھکر مسجد بناتے تھے۔ اتفاق سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ادھر سے گزرے تو ان صحابی نے پوچھا یا حضرت میں مسجد کے خیال سے جو ان پتھروں کو تلے اوپر رکھ دیے رہا ہوں اس کا بھی وہ ثواب ملیگا۔ حضرتؑ نے فرمایا ہاں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ جو شخص معمولی درجہ کی بھی مسجد بنائے گا خدا اُس کے لئے بہشت میں اعلی درجہ کا گھر بنوا دیگا۔

اِس حدیث کو آپ کے صحابی ابو عُبَیدَہ نے سُن لیا تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ کی راہ میں کچھ پتھروں کو اکٹھا کر کے مسجد کی شکل کا اپنے ہی ہاتھ سے بناتے تھے۔ اتنے میں حضرت کا بھی ادھر سے گزر ہوا تو ابو عبیدہ نے پوچھا کہ یا حضرتؑ میں آپ پر فدا ہو جاؤں کیا میں امید کروں کہ اس طرح مسجد بنانے کا بھی وہ ثواب ملیگا جو حضور نے فرمایا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا ہاں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق ؑ اپنے بزرگوں سے روایت فرماتے تھے کہ خدا جب زمین والوں پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے اگر وہ (مومنین دنیا میں) نہ ہوتے جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور میری مسجدوں کو آباد رکھتے ہیں اور سحر کے وقت اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں تو میں ضرور زمین والوں پر عذاب نازل کرتا[1] اللھم صل علی محمدؐ و آل محمدؐ۔ اسی وجہ سے بہت سے مالدار اپنی زندگی کا بڑا ضروری کام یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ایک مسجد بنا جائیں اور اُسکے ماہواری خرچ کے لئے کچھ جائداد بھی وقف کر جائیں یا نکال جائیں۔ اور جب کوئی شخص مسجد بنوا دے تو اس مسجد کے آس پاس کے رہنے والوں پر لازم ہے کہ اس مسجد کو آباد رکھیں اور وہیں میں نمازیں پڑھیں۔ ہم عورتوں کے لئے تو گھر ہی میں نماز پڑھنے کا حکم ہے کیونکہ گھر میں پردے کا اہتمام آسان ہے۔ اور خدا نے ہم لوگوں کے لئے پردہ واجب کیا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو ضروری ہے کہ اپنے بیٹوں، بھائیوں اور رشتہ کے دوسرے مردوں پر تاکید رکھا کریں کہ اپنی نماز گھر میں کبھی نہ پڑھیں بلکہ مسجد ہی میں پڑھیں۔ ہاں جس شہر یا گاؤں میں کوئی

[1] وسائل الشیعہ جلد ۱ صـ ۳۴۷

مسجد ہی نہ ہو وہاں تو مجبوری ہے مگر جہاں مسجد ہو وہاں اس کو چھوڑ
کر گھر پر نماز پڑھنے سے نہ خدا خوش ہوگا۔ نہ رسول راضی ہونگے نہ
ہمارے امام اسکو پسند کرینگے اور پھر دنیا میں بھی لوگ ہمیں ہنسینگے کہ
یہ کیسے مسلمان ہیں جو اپنی مسجد کی خبر نہیں لیتے۔ اسمیں نماز نہیں
پڑھتے۔ اس کو آباد نہیں رکھتے۔ ہم لوگ دیکھتے ہیں کہ ہندو قوم
اپنے مندروں کی کتنی عزت کرتی کس قدر اس کو آباد رکھتی ہے۔
اسی طرح انگریز اپنے گرجا کو کس اہتمام اور شان سے بنواتے اور
اسکی کتنی عزت کرتے۔ اسکے لئے کس کثرت سے مال خرچ کرتے
اور ہر اتوار کو جاکر اس میں عبادت کرتے ہیں۔ انکے مقابلہ میں ہمارے
بھائی۔ بیٹے۔ عزیز۔ اقربہ مسجدوں کا خیال نہیں رکھیں گے تو
دنیا کی دوسری قومیں انکو کتنا ذلیل سمجھینگی۔ بی بیو آپ یاد رکھیں
جو لوگ اپنے مذہب کی عزت نہیں کرتے لوگ ان کی بھی دل سے
عزت نہیں کرسکتے ہیں۔ پس ہم لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے رشتہ داروں
کو برابر آمادہ کیا کریں کہ وہ اپنی کوئی واجبی نماز گھر پر نہ پڑھیں بلکہ
پانچوں وقت کی نماز اپنے محلہ یا قصبہ یا دیہات کی مسجد ہی میں پڑھیں
اسکی بڑی تاکید خدا اور رسولؐ اور امام حضرات نے کی ہے۔ آپ لوگ
درود پڑھیں تو ہم کچھ حدیثیں پڑھوں۔ اللھم صل علی محمد و آل
محمدؐ۔ حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ جو لوگ ایسے محلہ میں رہتے
ہوں جس میں مسجد ہو وہ اپنے گھر پر نماز پڑھیں گے تو قبول ہی
نہیں کیجائیگی نہ خدا اس کو نماز مانیگا (ق) حضرت رسولخدا صلعم
ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ قیامت میں خدا سات آدمیوں پر سایہ

رکھیگا۔ ان میں ایک وہ امام عادل ہے (جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے) دوسرے وہ جوان ہے جسکو لڑکپن سے خدا کی عبادت کی عادت پڑی ہو۔ اور اسکا دل مسجد کی طرف لگا رہتا ہو کہ جب اس سے نکلتا ہو۔ تو خیال رکھتا ہو کہ اب دوسری نماز کا وقت ہو تو پھر مسجد میں جاؤں۔ توراۃ میں لکھا ہوا تھا کہ زمین پر میرے (یعنی خدا کے) گھر یہی مسجدیں ہیں۔ پس کیسا اچھا وہ بندہ ہے جو اپنے گھر سے پاک ہوئے اور میرے گھر (مسجد میں) پہونچکر میری زیارت کرے اور جسکی زیارت کو کوئی جاتا ہے اُس کا فرض ہوتا ہے کہ زیارت کرنے والوں کی عزت کرے مطلب یہ کہ جو شخص مسجد میں جاکر خدا کی عبادت کرے گا خدا اسکی عبادت کو قبول بھی کریگا اور اس کی عزت بھی بڑھائیگا۔ (۳) حضرت رسولخدا صلعم ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کی کسی مسجد کیطرف جائیگا اسکے لئے خدا ہر قدم پر دس نیکیاں لکھوائیگا اور اس کے دس گناہ مٹائیگا اور اس کے دس درجے بلند کریگا (۴) حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ جو شخص ایسے محلہ میں رہتا ہو جسمیں مسجد ہو اور وہ شخص نہ بیمار ہو نہ اسکو کوئی مجبوری ہو۔ وہ اگر اپنی واجبی نماز مسجد میں نہیں پڑھیگا تو اسکی نماز ہی نہیں ہو گی۔ (۵) جب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنی ظاہری خلافت کے وقت کوفہ میں تشریف رکھتے تھے تو حضرت کے پاس کچھ ایسے لوگوں کی شکایت پہونچی جن کے محلہ میں مسجد تھی مگر وہ لوگ اسمیں نماز پڑھنے کو نہیں جاتے تھے تو حضرت نے فرمایا ان لوگوں کو مسجد میں آکر ہمارے ساتھ جماعت کی نماز پڑھنی چاہیئے ورنہ وہ لوگ اس جگہ کو چھوڑدیں ہم کو ان کے پڑوس میں رہنا پسند نہیں ہے نہ وہ ہمارے پڑوس میں رہیں

نہ ہم ان کے پڑوس میں رہیں (۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ جو لوگ مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے نہیں جاتے مسجدوں کی طرف سے انکی شکایت خدا سے کیجاتی ہے تو خدا فرماتا ہے مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ میں ان لوگوں کی کوئی نماز نہیں قبول کرونگا نہ لوگوں میں ان کے لئے انصاف ظاہر کرونگا اور نہ وہ لوگ میری رحمت پاسکیں گے (۷) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے نماز کے لئے مسجد میں جانا چھوڑ دیا تھا تو حضرت نے فرمایا جو لوگ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں نہیں آتے ہیں بہت جلد میں حکم دوں گا کہ لکڑیاں انکے دروازوں پر جمع کیجائیں اور انمیں آگ لگا دی جائے کہ وہ سب اپنے گھروں سمیت جل جائیں (۸) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ جس محلہ میں مسجد تھی اسکے رہنے والوں پر حضرت رسولخدا صلعم نے شرط کر دی تھی کہ وہ نماز پڑھنے کو مسجد میں ضرور آیا کریں اور حضرت نے فرمادیا تھا کہ جو لوگ نماز پڑھنے کو مسجد میں نہیں آتے وہ اپنی یہ عادت چھوڑ دیں ورنہ میں موذن کو حکم دونگا کہ اذان اور اقامۃ کہے پھر اپنے اہلبیت سے ایک شخص کو جو علی ابن ابیطالب ہیں حکم دونگا کہ ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادیں تاکہ وہ لوگ بھی اسمیں جل جائیں اس جرم پر کہ وہ نماز پڑھنے کو مسجد میں کیوں نہیں آتے۔ (۹) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ قیامۃ میں تین چیزیں خدا سے شکایت کرینگی وہ مسجد جو بیکار پڑی ہو اور لوگ اس میں نماز نہیں پڑھتے ہوں اور وہ عالم جو بے علم لوگوں میں ہو (اور لوگ اس سے مسئلہ نہ پوچھتے ہوں) اور

وہ قرآن جو لپیٹ کر یا اسی طرح کہیں رکھ دیا گیا ہو کہ اسمیں کوئی پڑھتا نہ ہو اور اس پر غبار اُڑ اُڑ کر پڑتی ہو حضرت رسولخداؐ فرماتے تھے کہ قیامت میں تین چیزیں خدا سے لوگوں کی شکایت کرینگی ایک مسجد دوسرے قران ۔ تیسرے حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت ۔ قرآن کہیگا اے خدا مسلمانوں نے مجھے جلایا اور مجھے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور مسجد کہیگی اے خدا ان لوگوں نے مجھے معطل و بیکار چھوڑ دیا ۔ اور مجھے ضائع کر دیا تھا ۔ اور اہلبیتؑ کہیں گے اے خدا ان لوگوں نے ہمیں قتل کیا ۔ ہمیں دربدر پھرایا ۔ ہمیں گھر سے باہر کر دیا ۔ یہ سب شکایتیں کرنے کے بعد یہ چیزیں خدا سے انصاف چاہیں گی تو خدا کہیگا کہ ان باتوں سے تو مجھے ہی ان لوگوں کی شکایت ہے (میں ہی مُدعی ہوں اور یہ لوگ مدعیٰ علیہ ہیں) ۔ بی بیو اب غور کرنے کی بات ہے کہ جب خدا ہی کو مسجد میں نماز نہ پڑھنے والوں سے شکایت ہوگی اور وہی ان لوگوں کا دشمن ہو جائیگا تو ان کا کیا انجام ہوگا ۔ بس اب ایک حدیث اور بیان کر کے میں اس کو ختم کرتی ہوں (۱) ہمارے علماء و مجتہدین نے لکھا ہے کہ جو لوگ مسجد میں جاکر نماز نہیں پڑھتے مستحب ہے کہ ان کے ساتھ کھانا پانی چھوڑ دیا جائے ۔ ان سے رائے مشورہ کرنا موقوف کر دیا جائے ۔ ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے ۔ (اختیار ہو تو) ان کو محلہ میں نہ رہنے دیا جائے ۔ ایک دفعہ حضرت امیرالمومنینؑ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسجدوں میں جاکر نماز نہیں پڑھتے تو حضرتؑ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ وہ لوگ جو ہماری مسجدوں میں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کو نہیں آتے وہ ہمارے

ساتھ کھانا نہیں کھا سکتے نہ ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں۔ نہ وہ ہمارا پانی پیئیں گے نہ ہم ان کا پانی پیئیں گے نہ ہم ان سے رائے مشورہ کرینگے نہ ان کو رائے مشورہ دینگے۔ نہ ہم اُن سے شادی بیاہ کا تعلق رکھیں گے نہ وہ ہم لوگوں کے ہاں شادی بیاہ کر سکیں گے۔ اور نہ وہ ہم لوگوں کے مال غنیمت سے حصہ پائیں گے۔ ورنہ وہ اپنی عادت چھوڑیں اور ہمارے ساتھ مسجد میں آکر نماز پڑھا کریں۔ اگر اب بھی وہ ایسا نہیں کرینگے تو میں حکم دوں گا کہ ان کے گھروں میں آگ لگا دی جائے جس میں وہ لوگ بھی جل جائیں۔ اس خطبہ کے بعد مسلمانوں نے ان لوگوں سے کھانا پانی شادی بیاہ غرض ہر قسم کا تعلق اور میل جول چھوڑ دیا۔ جب وہ لوگ اس طرح مجبور ہوئے تب مسجد واں میں آکر نماز جماعت پڑھنے لگے[1] بی بیو! ان حدیثوں سے مسجد میں جانے۔ اس میں نماز پڑھنے اور اسکے آباد رکھنے کی کتنی تاکید معلوم ہوئی۔ اب ہم لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے عزیزوں سے جس شخص کو دیکھیں کہ گھر پر نماز پڑھتا ہے اسکو سمجھائیں اور منع کریں اور مسجد میں جاکر نماز پڑھنے پر زور دیں۔ اگر وہ نہ مانے تو اس سے اپنا رنج ظاہر کریں اور اس سے ناخوش رہیں جس سے وہ مجبور ہو کر مسجد میں جائے۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ اگر ہمکو کسی سے معمولی بات پر بھی شکایت ہو جاتی ہے تو ہم اس سے لڑتے ہیں۔ اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اسکے ہاں آنا جانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسکے ہاں شادی بیاہ میں بھی شرکت نہیں کرتے مگر جو لوگ خدا و رسول کو ناراض کرتے اور جن سے ان حضرات کو شکایت ہوتی ہے اُن سے ہم لوگ نفرت نہیں کرتے۔

[1] وسائل الشیعہ جلد ا مکتا ۳۲

(مطبع اصلاح کھجوا میں سید محمد جعفر نے چھاپ کر شایع کیا)